دسمبر ۱۹۹۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- اپنی خودی پہچان! اے مسلم پاکستان!!
- جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر انگیز مضامین

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان کے تحت سال 1994ء کے لئے

علاقائی اجتماعات و تربیت گاہوں کا شیڈول

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

علاقائی اجتماعات	مبتدی + ملتزم تربیت گاہ	مقام
○ 14 تا 16 جنوری	17 تا 20 جنوری	کراچی
○ 15 تا 17 اپریل	18 تا 21 اپریل	ملتان
○ 27 تا 29 مئی	30 تا 2 جون	فیصل آباد
○ 12 تا 14 اگست	15 تا 18 اگست	راولپنڈی
○ 26 تا 28 اگست	29 اگست تا یکم ستمبر	پشاور
○ 9 تا 11 ستمبر	12 تا 15 ستمبر	لاہور
○ 23 تا 25 ستمبر	26 تا 29 ستمبر	گوجرانوالہ

سالانہ اجتماع 1994ء

21، 22، 23 اکتوبر

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۲
شمارہ :	۱۲
جمادی الاخریٰ	۱۴۱۴ھ
دسمبر	۱۹۹۳ء
فی شمارہ	۷/-
سالانہ زرِ تعاون	۷۰/-

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳۔ ۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ ایٹمی صلاحیت کا حصول۔ایک معجزہ ——— ۵

امیر تنظیم اسلامی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷

اپنی خودی پہچان! اے مسلم پاکستان!!

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی ——— ۱۵

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ شمالی امریکہ میں تنظیم اسلامی کا لائحہ عمل ——— ۴۳

کینیڈا میں رفقاء تنظیم اسلامی کے اجتماع سے امیر تنظیم کا خطاب

☆ افکار و آراء ——— ۶۲

مسئلہ عورت کی حکمرانی کا

محمد سمیع

☆ مشاہدات و تاثرات ——— ۶۵

تنظیم اسلامی پاکستان کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع

نثار احمد ملک

☆ اشاریہ میثاق ——— ۷۳

جلد ۴۲ (جنوری تا دسمبر ۹۳ء) کے مضامین کی مکمل فہرست

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

پاکستان کے نیو کلیئر پروگرام کے بارے میں اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کون سی وادی اور کون سی منزل میں ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ جیسا کچھ بھی ہے امریکہ اور اس کے حواریوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ ہمارے ملک میں حکومتی سطح پر جو اکھاڑ پچھاڑ ہوتی ہے اور اعلیٰ سطح پر جو پالیسیاں طے پاتی ہیں ان میں امریکی عمل دخل اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حکومت کے ایوانوں پر خواہ کوئی بھی قابض ہو' کوئی فوجی آمر تخت حکومت پر رونق افروز ہو یا کوئی نمائندہ حکومت ملک کی زمام کار کو سنبھالے ہوئے ہو' اسے نیو کلئر پروگرام کے مسئلے پر بے پناہ امریکی دباؤ کا سامنا لازماً کرنا پڑتا ہے جو ہر قیمت پر اسے غیر موثر بنانے پر تلا ہوا ہے۔ دوسری جانب ہر پاکستانی کا احساس یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ توانائی کے ذخائر کی بے پناہ قلت کے باعث جوہری توانائی کا حصول ہمارے لئے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے بلکہ بھارتی جارحیت کے مقابلے میں ایٹمی قوت فراہم کرنا ملکی سالمیت کے اعتبار سے ہمارے لئے ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنا یا "رول بیک" کرنا کسی بھی اعتبار سے ملکی مفاد میں نہیں ہے۔ اپوزیشن کی طرف سے موجودہ حکومت پر یہ الزام بہت شدت کے ساتھ لگایا جارہا ہے کہ اس حکومت نے امریکی مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور نیو کلئر پروگرام ان کے حسب منشا منجمد کر دیا گیا ہے۔ یہ الزام اگر درست ہے تو یقیناً نہایت تشویشناک ہے اور اس پر ہر مخلص پاکستانی کا فکرمند اور مشوش ہونا بالکل فطری ہے۔ اس سے قطع نظر کہ حکومتی حلقوں کی جانب سے اس الزام کے جواب میں یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ آئی جے آئی کی حکومت کے دوران بھی ایٹمی پروگرام منجمد رہا اور انہوں نے اس پروگرام کو دوبارہ متحرک کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی' یہ امر واقعہ ہے کہ ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنے کی خبر' مسلمانان پاکستان کو شدید طور پر مضطرب کرنے کا باعث بنی ہے ---- امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس اہم ملکی مسئلے کو غالباً پہلی بار مفصل انداز میں اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بنایا ہے۔ جمعہ ۳ دسمبر کو "جنگ" میں "اپنی خودی پہچان' اے مسلم پاکستان!!" کے زیر عنوان شائع ہونے والا کالم جو اسی موضوع پر ہے' نہایت فکر انگیز ہی نہیں غیر معمولی اہمیت کا حامل بھی ہے۔ پھر اسی روز خطاب جمعہ میں بھی سورۃ الانفال کے آٹھویں رکوع کے حوالے سے یہی موضوع زیر گفتگو رہا۔ امیر تنظیم نے ایٹمی پروگرام کے مسئلے کے حوالے سے مسلمانان پاکستان کو اپنی خودی پہچاننے اور اپنے آپ کو Re-Discover کرنے (یعنی اپنی بازیافت) کی جس انداز میں دعوت دی ہے اس کی اثر انگیزی بے شمار دلوں کو گرمانے اور انہیں غور و فکر پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنی ہے۔ زیر نظر شمارے میں ہم نے نہ صرف یہ کہ وہ اخباری کالم شائع کر دیا ہے بلکہ خطاب جمعہ کا پریس ریلیز بھی شامل اشاعت کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

تحریک خلافت کے پیغام کو ملک گیر سطح پر عام کرنے کے لئے پاکستان کے مختلف شہروں میں "خطبات خلافت" کے نام سے امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت کی تقاریر کا ایک سلسلہ حال ہی میں شروع کیا گیا ہے جس کا آغاز کراچی کے مشہور خالقدینا ہال میں مسلسل چار روز خلافت کے موضوع پر امیر تنظیم کی تقاریر سے ہوا ہے۔ یہ وہی ہال ہے جس میں مولانا محمد علی جوہر پر خلافت کی تحریک اٹھانے پر بغاوت کا مقدمہ چلا تھا۔ الحمد للہ کراچی میں "خطبات خلافت" کا یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے نہایت پر سکون ماحول میں تحریک خلافت کے پیغام کو سنا اور اس طرح انہیں خلافت کی حقیقت اور نظام خلافت کے بعض اہم پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد ملی (اس پروگرام کی مفصل رپورٹ چونکہ "ندائے خلافت" کے تازہ شمارے میں شائع ہو گئی ہے لہٰذا یہاں اس کے محض اجمالی تذکرے پر اکتفا کی گئی ہے) ---- دسمبر کے مہینے میں پاکستان کے تین شہروں میں "خطبات خلافت" کے انعقاد کا پروگرام ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو دسمبر کے پہلے عشرے میں یعنی چھ' سات اور آٹھ دسمبر کو راولپنڈی کے سرسید سکول ہال میں سہ روزہ خطبات خلافت کا انعقاد ہو گا' پھر دوسرے عشرے میں (۱۳' ۱۴ اور ۱۵ دسمبر کو) پشاور میں اور اس کے بعد آخری عشرے میں یعنی دسمبر ۲۰' ۲۱ اور ۲۲ تاریخوں میں لاہور شہر میں خطبات خلافت منعقد کئے جائیں گے۔ ان خطبات میں جن موضوعات پر تفصیل سے گفتگو ہوتی ہے ان میں "موجودہ مایوس کن حالات میں عالمی نظام خلافت کی نوید جانفزا' خلافت کی اصل حقیقت' عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی' دستوری اور معاشی و معاشرتی نظام' اور عہد حاضر میں نظام خلافت کے قیام کا نبوی طریق کار" شامل ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ امیر تنظیم کے حق میں دعا کریں کہ اللہ انہیں ان تمام پروگراموں کو نبھانے کی ہمت عطا فرمائے اور انہیں صحت کاملہ سے نوازے۔

☆ ☆ ☆

ہم اپنے قارئین کو یہ اطلاع دیتے ہوئے ہرگز کوئی خوشی محسوس نہیں کر رہے کہ ادارہ میثاق نے جنوری ۹۴ء سے ماہنامہ "میثاق" کے سالانہ زرتعاون اور فی شمارہ قیمت میں اضافے کا فیصلہ کیا ہے' تاہم اس کا سبب بھی بالکل ظاہر ہے کہ مہنگائی کا سیلاب جس سرعت کے ساتھ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اس کے پیش نظر یہ اضافہ ناگزیر تھا۔ گزشتہ سات سالوں کے دوران ہم نے "میثاق" کی قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا جب کہ اس دوران کاغذ کی قیمت اور طباعتی اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ پھر اس پر مستزاد محکمہ ڈاک نے بیرون پاکستان کا ڈاک خرچ حال ہی میں یکلخت بڑھا کر قریباً دوگنا کر دیا ہے۔ ان حالات میں ہمیں یقین ہے کہ قارئین' میثاق کے زرتعاون میں اس اضافے کو خوشدلی سے قبول فرمائیں گے۔ اس اضافے کی تفصیلات اندرونی سرورق صفحہ ۳ پر درج ہیں۔OO

پریس ریلیز

ایٹمی صلاحیت کا حصول، قیام پاکستان کی طرح ایک معجزہ ہے

اسے رول بیک یا منجمد کرنے کا مقصد نیو ورلڈ آرڈر کو باقاعدہ تسلیم کرنا ہے

لاہور ۔ ۳ دسمبر: امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ایٹمی صلاحیت کا ہماری دسترس میں آجانا ویسا ہی معجزانہ ہے جیسا خود پاکستان کا قیام معجزانہ تھا اور اب اگر اس سے ہاتھ دھو لئے جائیں تو یہ پرلے درجے کی ناقدری اور ناشکری ہوگی۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اپنے ایٹمی پروگرام کو منجمد یا رول بیک کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے نیو ورلڈ آرڈر کو باقاعدہ تسلیم کر لیا ہے اور آئندہ ہمیں نئے امریکی استعمار کا تابع مہمل بن کر جینا بلکہ علاقے میں اس کے پولیس مین کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ مطالبہ کہ بھارت کے ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکے کا جواب ہمیں بیس برس بعد ۱۹۹۴ء میں تو دے ہی دینا چاہئے' نواز شریف کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملانا ہے یا اسے بے نظیر کے لئے یاد دہانی سمجھا جانا چاہئے جس کے والد نے ایٹم بم کی تیاری کی کوشش میں قوم کو گھاس تک کھانے کے لئے تیار رہنے کی تلقین کی تھی اور خود اسی کی سزا میں اپنی جان پر کھیل گیا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ ہماری عزت و آبرو جوہری توانائی' ایٹم بم اور کشمیر کے مسائل پر جرات مندانہ موقف اختیار کرنے میں مضمر ہے اور اس سلسلے میں سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر غور و فکر کا محور قومی مفاد کو بنایا جانا چاہئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اس کائنات کے ہر ذرے میں قوت کے خزانے مخفی ہیں جنہیں باہر نکال کر استعمال کیا جائے تو توانائی کے چشمے ابلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ہماری قوم میں بھی بے حد و حساب صلاحیتیں خوابیدہ ہیں اور انہیں بیدار کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو قرآن حکیم میں واضح حکم دیا گیا ہے کہ اپنی حرب و ضرب کی قوت میں اضافہ کریں اور پیش قدمی کے لئے گھوڑے تیار رکھیں۔ خیر القرون میں جنگ کے لئے سدھائے ہوئے گھوڑوں سے ہی دشمن پر وہ رعب طاری کیا جاتا تھا جس کے لئے آج ایٹمی صلاحیت کی ضرورت ہے اور کون نہیں جانتا کہ کتنی ہی قوموں نے ایٹمی ہتھیار جنگ میں استعمال کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے سے بڑے دشمنوں کو اپنے اوپر چڑھ دوڑنے سے باز رکھنے کے لئے بنائے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایٹمی صلاحیت کو برقرار رکھنے اور بڑھانے پر ہمیں امریکہ کے عتاب کا نشانہ بننا ہوگا لیکن توقع ہے کہ یہی ابتلاء ہمارے لئے اپنی قومی خودی کو پہچاننے کا ذریعہ بنے گی۔ شاید یہی دباؤ ہمیں خودشناسی کا سبق دے دے' ہمیں اپنا ماضی اور اپنا تاریخی پس منظر یاد آجائے اور اس

منزل کا نقشہ بھی ذہن میں تازہ ہو جائے جس کی طرف ہم نے آج سے چھیالیس برس پہلے سفر کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ سلطان ٹیپو شہید کا یہ قول ہم بڑی بے ساختگی سے زبان پر تو لے آتے ہیں کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے" لیکن اگر پاکستانی قوم اسی خیال پر ڈٹ جائے تو اس قوم کو فنا کے گھاٹ اتارنا ممکن نہ ہو گا اور خاص طور پر امریکیوں کے لئے تو ایسا کرنا ہرگز ممکن نہ ہو گا جو بنیادی طور پر ایک بزدل قوم ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایٹمی صلاحیت کے حصول پر ایسا مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں رہنے والا کسی بھی ذہنی سطح کا انسان اس کے حق میں بات کرے گا چنانچہ اس پر امریکہ اور اس کے حواریوں کی نام نہاد امداد اور قرضوں کی آمد اگر بند ہو جائے اور اقتصادی پابندیوں کی عقوبت ہم پر مسلط کر ہی دی جائے تب بھی اس کے مقابلے کے لئے قوم میں اعتماد اور اتحاد پیدا ہو گا اور وہ قومی یک جہتی نظر آنے لگے گی جسے سیاسی قلابازیوں نے ناممکن الحصول بنا کر رکھ دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا چار عشروں سے زیادہ عرصے تک سفاک بے نیازی برتنے کے بعد اب امریکہ اور برطانیہ کے دل میں کشمیر کا درد بہت زور سے اٹھا ہے تو اس لئے نہیں کہ انہیں کشمیری مسلمانوں اور پاکستان کے موقف میں صداقت نظر آنے لگی ہے۔ درحقیقت مقبوضہ کشمیر کو ایک آزاد ریاست بنانے کی سازش پروان چڑھ رہی ہے جو امریکہ کے براہ راست اثر میں رہنے پر مجبور ہو گی۔ اوی کے علاوہ اب ہمارے شمالی علاقہ جات کے اس ٹکڑے کا ذکر بھی سننے میں آرہا ہے جو پاکستان نے یرسگالی کے تحت تبت سے زمینی رابطے کے لئے دوست ملک چین کے استعمال میں دے رکھا ہے اور ود شمالی علاقہ جات پر بھی نظر کرم ہے۔ امریکہ یہاں بیٹھ کر چین' ہندوستان' پاکستان' افغانستان اور سطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کی مسلسل نگرانی کرنا چاہتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ان مسائل پر و قوم کے لئے زندگی اور موت کے سوال کی حیثیت رکھتے ہیں اگر کمزوری دکھائی گئی تو ہماری قسمت مہرلگ جائے گی ورنہ ان کا سامنا کرنے کی صورت میں جن سختیوں کا اندیشہ ہے وہ تو قوموں کی تعمیر کا سامان کیا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آزمائشیں ہی ہماری بگڑی بنائیں گی۔

انہوں نے کہا کہ امریکہ کی چودھراہٹ ماننے اور اسے بندر بانٹ کا موقع دینے سے کہیں بہتر ت یہ ہو گی کہ ہم بھارت کے ساتھ بیٹھ کر اپنا معاملہ باہمی گفت و شنید کے ذریعے طے کر لیں کیونکہ س امر کے واضح شواہد نظر آرہے ہیں کہ بھارتی لیڈروں اور دانشوروں کو بھی بیرونی طاقتوں کی اخلت میں پوشیدہ خطرات کا احساس ہو گیا ہے اور اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ معقولیت کی روش ختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔OO

اپنی خودی پہچان! اے مسلمِ پاکستان!!

ڈاکٹر اسرار احمد

اس میں کیا شک ہے کہ بظاہر احوال تو پاکستان بھی دنیا کے سینکڑوں ملکوں کی طرح بس ایک درمیانہ سائز کا ملک ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ غالب مسلم اکثریت والے کم و بیش پچاس ممالک میں سے تعدادِ نفوس کے اعتبار سے چوٹی کے تین ملکوں میں سے ایک ہے۔ لیکن ع "جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے!" کے مصداق جو لوگ ظواہر اور مظاہر کے پس پردہ کار فرما باطنی عوامل و حقائق پر نگاہ رکھتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ درحقیقت پاکستان کوئی عام ملک نہیں ہے بلکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، غلبۂ دینِ حق، اور نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے عالمی سطح پر قیام کے طویل المیعاد آسمانی منصوبے یا قرآن کے الفاظ میں تدبیرِ الٰہی کی اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس اعتبار سے ؎

"مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردوں سے انسان نکلتا ہے!"

کے مصداق اس کی پشت پر کم از کم چار سو سال کی آسمانی منصوبہ بندی ہے۔ گویا اس کی مثال اس آئس برگ کی سی ہے جس کا سطح سمندر سے اوپر نظر آنے والا حصہ تو بہت چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے لیکن زیر آب حصہ نہایت وسیع اور مہیب ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل آلِ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے

بعد چالیس برس سے زائد تو صحرائے سیناہی میں بھٹکتے رہے تھے' اس کے بعد بھی "شوکتِ سنجر و سلیم" کے مانند داؤد و سلیمان علیہما السلام کی شوکت و سطوت کے سورج کے طلوع ہونے میں طویل مدت صرف ہوئی تھی' اسی طرح انگریزوں اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات پانے کے بعد مسلمانانِ پاکستان کو بھی شمسی حساب سے سوا چھیالیس برس اور قمری حساب سے پونے اڑتالیس برس تو ع "کہ رہوارِ یقینِ ما' بہ صحرائے گماں گم شد!" کے مصداق بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرا میں بھٹکتے ہوئے ہو ہی چکے ہیں' مزید برآں آج ملّتِ اسلامیہ پاکستان ایک ایسے فیصلہ کن دوراہے پر پہنچ گئی ہے کہ یا تو اپنی "خودی" کو پہچانے اور اس طرح گویا خود اپنے آپ کو از سرِ نو "دریافت" کرے۔ اور اس کے منطقی نتیجے کے طور پر ع "ہم زخدا خودی طلب' ہم زخودی خدا طلب!" کے مطابق خدا کو بھی از سرِ نو پہچان کر' ایمان باللہ کی تجدید کے ذریعے اپنے پورے بھروسے اور توکل کو صرف اس کی ذات پر مرکوز کردے اور ع "اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ!" کے مصداق اپنی جوانمردی اور ہمّتِ مردانہ کی بنا پر اپنے آپ کو اس کے بھروسے کا اہل ثابت کرتے ہوئے ابلیس' اس کے "نیو ورلڈ آرڈر" اور اس کی "یورپ کی مشینوں" کے مقابلے کے لئے ڈٹ جائے اور اس طرح ع "آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی!" کا مصداقِ کامل بن جائے۔ یا "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ" (الحشر آیت ۱۹) یعنی "اُن لوگوں کے مانند نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ ہی سے غافل کردیا" کی تصویر بن جائے اور خدا اور خودی دونوں سے برگشتہ "اور مستعفی" ہو کر "نیو ورلڈ آرڈر" کا تابعِ مہمل ہی نہیں اس کی نام نہاد "امن فوج" کا تنخواہ دار سپاہی بن کر رہ جائے۔ چنانچہ پاکستان کی "ایٹمی صلاحیت" کے خلاف "پنجۂ یہود" کے اسیروں یعنی امریکہ اور اس کے حواریوں کی

حالیہ یلغار ملّتِ اسلامیہ پاکستان کے لئے اسی فیصلہ کن لمحے کی حیثیت رکھتی ہے!

سب جانتے ہیں کہ اب سے ٹھیک چار سو سال قبل "مغلِ اعظم" کے دور میں جب برِّ عظیم ہند میں دنیوی اعتبار سے مسلمانوں کی حکومت و سلطنت، اور شوکت و سطوت کا سورج نصف النّہار پر چمک رہا تھا، دربارِ شہنشاہی سے غلغلہ بلند ہوا کہ چونکہ دینِ محمد ﷺ پر ایک ہزار سال بیت گئے ہیں لہٰذا اس کا دور ختم ہو گیا ہے اور ایک نئے دین یعنی "دینِ الٰہی" کا دور شروع ہو گیا ہے۔ اس فتنے کو اٹھانے یا تقویت دینے والے چونکہ ابوالفضل اور فیضی ایسے جیّد اور جغادری اصحابِ علم و فضل، اور خاص طور پر "لغت ہائے حجازی کے قارون" تھے لہٰذا دلیل بھی قرآن سے دی گئی تھی۔ یعنی سورۃ الحج کی آیت ۴۷ کے حوالے سے کہ: "اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○" "(اے نبی ﷺ) آپ کے رب کے نزدیک ایک دن آپ لوگوں کی گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے!" اور اس سے بھی بڑھ کر سورۃ السجدہ کی آیت ۵ کے حوالے سے کہ چونکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ: "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○" یعنی "وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی جانب، پھر وہ سارا معاملہ لوٹتا ہے اسی کی طرف (اور یہ سب وقوع پذیر ہوتا ہے) ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس ہے!" لہٰذا اب ایک ہزار سال گزر جانے کے باعث محمد ﷺ پر نازل ہونے والا امر اٹھا لیا گیا ہے، اور ایک نیا امرِ دینِ اکبری کی صورت میں نازل ہو گیا ہے۔ تو اگرچہ یہ بات اس اعتبار سے بھی صریحاً غلط تھی کہ خود قرآن حکیم میں اشارات کی صورت میں، اور بے شمار احادیثِ نبویہ ﷺ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اب قیامت تک آنحضور ﷺ ہی کی رسالت کا دور ہے، اور اس اعتبار سے بھی

کہ غالباً اسی فتنے کے پیشگی سدِباب کے لئے آنحضور ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمادی تھی کہ میری امت کی عمر ایک دن نہیں ڈیڑھ دن ہوگی۔ چنانچہ سنن ابی داؤدؒ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں امید کرتا ہوں کہ میری امت اپنے رب کے حضور اتنی بے وقعت نہ ہوگی کہ وہ اس کو نصف یوم کی بھی مزید مہلت نہ عطا فرمائے!" اس پر جب لوگوں نے حضرت سعدؓ سے دریافت کیا کہ ان کے نزدیک نصف یوم سے کیا مراد ہے تو انہوں نے جواب دیا: "پانچ سو برس!" ------ تاہم اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ یہ فتنہ برِّ عظیم ہند میں ایک عظیم سلطنت کی مرکزی حکومت کے بے پناہ وسائل و ذرائع کی مدد اور پشت پناہی کی بنا پر ایک بار تو واقعی ایسے شدّ و مدّ اور رعب و داب کے ساتھ اٹھا تھا کہ واقعتاً محسوس ہوتا تھا کہ شاید کم از کم سرزمینِ ہند سے دینِ محمد ﷺ کو دیس نکالا مل ہی جائے گا اور ہندوستان کے جملہ سابقہ مذاہب کے معجونِ مرکب میں ایک حقیر اور غیر مؤثر جزو کی حیثیت سے شامل ہونے کے باعث ملّتِ اسلامیہ کا جداگانہ تشخص ختم ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی وہی سنت بروئے کار آئی جس کا ذکر اقبال نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ؎

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری!

چنانچہ خانوادۂ اسمٰعیلؑ کی شاخِ فاروقیؓ پر احمد سرہندیؒ کا پھول کھلا جو اللہ کی عنایت و نصرت سے "ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں" بن کر کھڑا ہوگیا۔ اور اس طرح اس خدائی منصوبے یا تدبیرِ الٰہی کا آغاز ہوگیا جس کی ایک اہم کڑی قیام پاکستان ہے۔ اور جس کی آخری منزل دین محمد ﷺ کا عالمی غلبہ یا بالفاظ دیگر خلافت علیٰ منہاج النبوت کے نظام کا عالمگیر قیام ہے!

گزشتہ چار صدیوں کے دوران اس تدبیرِ الٰہی کے ضمن میں جہاں ایک جانب روحانی سطح پر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ بر سرِکار رہا' جس کی شاخیں شمالی ہند سے اولاً افغانستان پہنچیں اور پھر وہاں سے سابقہ روسی ترکستان سے ہوتی ہوئی ایشیائے کوچک تک جا پہنچیں' وہاں دوسری جانب علمی سطح پر دہلی کے محدّثِ اول شیخ عبدالحقؒ اور بعد ازاں امام الہند شاہ ولی اللہؒ اور ان کی اولاد و احفاد اور تلامذہ کے ذریعے علمِ دین کے احیاء اور خاص طور پر رجوع الی القرآن کا انقلاب آفریں مرحلہ سر ہوا۔ اور تیسری جانب شاہ صاحب ہی کے معنوی اور صلبی پوتوں یعنی سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے ہاتھوں ع "من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را!" کے مصداق جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا غلغلہ بلند ہوا' جس کے نتیجے میں پورے شمالی ہند یعنی صرف دہلی کے گرد و نواح اور یوپی ہی نہیں' بہار اور بنگال تک کے بے شمار مسلمانوں کا خون جو ذکر و شغل' اور مراقبہ و سلوک کے مراحلِ تزکیہ سے فیضیاب ہو چکا تھا ہندوستان کے "شمال مغربی سرحدی صوبے" میں سوات اور ہزارہ کے کوہستانی علاقوں کی سیرابی کا ذریعہ بنا۔ اور بالآخر انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب انگریز کے لائے ہوئے سیکولر نقطۂ نظر اور الحادی فلسفہ و علم سے تقویت پاکر "وحدتِ ادیان" کے گمراہ کن نظریئے نے ایک بار پھر سر اٹھایا اور زور دار کوشش کی کہ سرزمینِ ہند سے ملتِ اسلامیہ کے جداگانہ تشخص کو نیست و نابود کردے تو تدبیرِ الٰہی نے سیاسی اور عوامی سطح پر مسلم لیگ اور علمی و فکری سطح پر روحِ مجددؒ کے "بروز" علامہ اقبال کے ذریعے اس کوشش کو ناکام بنا کر انگریزوں اور ہندوؤں کے عزائم کے علی الرغم برِّ عظیم ہند کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں واقع مسلم اکثریت کے علاقوں میں علیحدہ اور آزاد حکومت قائم فرمادی' جو اب دو علیحدہ ملکوں کی صورت میں موجود ہے۔ جن میں سے اصل منزل مقصود یعنی غلبۂ

دینِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے اعتبار سے پاکستان اس لئے بھی اہم تر ہے کہ یہاں غیر مسلم اقلیتیں عددی اعتبار سے نہ ہونے کے برابر ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ بحیثیتِ مجموعی پورے عالم اسلام کے ساتھ بھی ملحق ہے اور خاص طور پر اس خطۂ ارضی سے تو بالکل متصل ہے جسے دورِ نبوی ﷺ میں "خراسان" کہا جاتا تھا اور جس سے مجاہدینِ اسلام کے لشکروں کے برآمد ہونے کی خبر جناب صادق ومصدوق ﷺ نے دی تھی!

الغرض' یہ ہے وہ پاکستان جو اس وقت اپنے اسقدر شاندار ماضی کے ساتھ تاریخ کے اس فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے ---- کہ یا اپنی بزدلی اور کم ہمتی' اور اللہ کی قدرت اور رزاقیت پر عدم اعتماد کا مظاہرہ کرے' اور اپنے ماضی سے مستعفی اور مستقبل کی منزل سے منحرف ہو کر ع "میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو!" کی روش اختیار کرلے اور اس طرح ایک جانب یہود اور ہنود کے سامنے گھٹنے ٹیک دے' اور دوسری جانب "نیو ورلڈ آرڈر" کے نئے عالمی سامراج کا آلۂ کار بن کر "مس امریکہ" کو بھی "راضی" کرلے!---- یا "ہمتِ مرداں" پر اعتماد اور "مددِ خدا" پر یقین رکھتے ہوئے علی الاعلان' اور ببانگِ دھل "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ" (سورۃ الانفال' آیت ۶۰) یعنی : "ان کے مقابلے کے لئے مقدور بھر قوت اور جنگی گھوڑوں کا اہتمام کرو تاکہ ان کے ذریعے اللہ کے دشمنوں پر جو خود تمہارے بھی دشمن ہیں تمہاری ہیبت قائم رہے!" پر عمل کرے۔ اور جس طرح سلطنتِ پاکستان واقعتاً "خداداد" ہے اس لئے کہ اس کا قیام ہرگز ایک معجزے سے کم نہ تھا' اسی طرح "ایٹمی صلاحیت" کو بھی اللہ کی معجزانہ عطا سمجھتے ہوئے' اس لئے کہ موجودہ دنیا کے عام محاورے کے مطابق وہ بھی ہمیں بالکل "اتفاقی" طور پر حاصل ہوئی تھی' نہ

صرف یہ کہ اسے "پُر امن" مقاصد کے لئے استعمال کرے اور اس طرح اپنی "قوت" یعنی انرجی یا توانائی کی کمی کی تلافی کرے' بلکہ "استطاعت" کے مطابق ہتھیار بھی بنائے۔

اور اگرچہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اس صورت میں ہمیں فوری طور پر شدید آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور بالکل وہی صورت پیش آئے گی جس کا نقشہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۵ میں کھینچا گیا ہے کہ "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ" یعنی:

"ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے بھی' اور جانی ومالی نقصانات' اور (محنت ومشقت) کے ثمرات کے ضیاع سے بھی!" ---- لیکن اگر ہمارے اندر ایمان کی کوئی ادنیٰ رمق بھی موجود ہے تو ہمارے اطمینان کے لئے تو وہی الفاظِ مبارکہ کفایت کرتے ہیں جن پر یہ آیتِ شریفہ ختم ہوتی ہے: "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝" یعنی: "اور (اے نبی ﷺ) بشارت دے دیجئے صبر کرنے والوں کو!" مزید برآں اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ بسا اوقات ایسے ہی مواقع پر اور ایسی ہی آزمائشوں کے ذریعے کوئی قوم اپنے آپ کو از سرِ نو "دریافت" کر لیتی ہے' اور "اپنی خودی" کو از سرِ نو "پہچان" کر حیاتِ نو کا سراغ پا جاتی ہے! تو کیا عجب کہ حکمتِ خداوندی اور مشیّتِ ایزدی میں ملّتِ اسلامیہ پاکستان کے صحرائے تیہ میں بھٹکنے اور "صحرائے گماں" میں گم ہو جانے والے قافلے کے حق میں بھی ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" اور ع "سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را!" کے فیصلے کا وقت آگیا ہو۔ بقول رئیس امروہوی:

وہ وقت آیا کہ ہم کو قدرت ہماری سعی و عمل کا پھل دے
بتا رہی ہے یہ ظلمتِ شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے

ابھی ہیں کچھ امتحان باقی، فلاکتوں کے نشان باقی
قدم نہ پیچھے ہٹے کہ قسمت ابھی ہمیں آزما رہی ہے
سیاہیوں سے حزیں نہ ہونا، غموں سے اندوہ گیں نہ ہونا
انہی کے پردوں میں زندگی کی نئی سحر جگمگا رہی ہے
رئیس! اہلِ نظر سے کہ دو کہ آزمائش سے جی نہ ہاریں
جسے سمجھتے ہو آزمائش وہی تو بگڑی بنا رہی ہے

پھر کیا ہماری غیرت و حمیت ان مثالوں کو بچشمِ سر دیکھنے کے باوجود نہیں جاگتی کہ عالمِ اسلام کے مغرب میں لیبیا کا "مردِ دیوانہ" امریکہ کے اور اس کے جملہ حواریوں کے دباؤ کا مقابلہ کر رہا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے پاس تیل کی دولت ہے تو دوسری مثال سوڈان نے پیش کر دی ہے جو تیل کی دولت سے ہماری ہی طرح محروم اور بالکل ہماری ہی طرح خالص زرعی معیشت کا حامل ملک ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سے جتنے فاصلے پر مغرب میں لیبیا اور سوڈان واقع ہوئے ہیں، اتنے ہی فاصلے پر مشرق میں واقع شمالی کوریا نے بھی "نئے عالمی سامراج" کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر دیا ہے۔ تو کیا ہر ہمت اور جرأت سے محرومیت اسی ملک کا مقدر بن گئی ہے جس کے نام کے ساتھ "سلطنتِ خداداد" کے الفاظ بھی چسپاں ہیں، اور جس کی جانب سے میرِ عرب ﷺ کو بھی ٹھنڈی ہوا آئی تھی؟ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

احباب نوٹ فرمالیں

لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے

خطباتِ خلافت

کا انعقاد ان شاء اللہ، ۲۰ تا ۲۲ دسمبر ۹۳ء ٹاؤن ہال لاہور میں ہو گا!

جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی

ڈاکٹر اسرار احمد

جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور اس کے نمایاں خدوخال کون کون سے ہیں' اس بارے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بارہا اپنے خیالات کا اظہار فرما چکے ہیں' تحریری صورت میں بھی اور تقریری شکل میں بھی۔ لیکن ۷ نومبر کے "نوائے وقت" کے اداراتی کالم میں اداریہ نگار نے پاکستان کے قیام ہی کو اسلامی ریاست کی تشکیل کے مترادف قرار دیتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحب سے براہ راست یہ سوال کیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک پاکستان ابھی تک "اسلامی ریاست" نہیں بن سکا تو آخر اسلامی ریاست سے ان کی مراد کیا ہے! جدید اسلامی ریاست کی جو تعبیر نوائے وقت جیسے موقر روزنامے کے اداریہ نگار نے کی ہے اور نفاذ اسلام کا جو مفہوم معین کیا ہے وہ باعث حیرت ہی نہیں باعث افسوس بھی ہے---- قارئین کی دلچسپی کے لئے اس اداریے کا متعلقہ حصہ اور اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب کا وضاحتی مضمون جس کے ذریعے جدید اسلامی ریاست کے خدوخال اور اس کے اجزائے ترکیبی زیادہ نکھر کر سامنے آتے ہیں' دونوں پیش خدمت ہیں۔ (ادارہ)

روزنامہ "نوائے وقت" کے ۷ نومبر ۱۹۹۳ء کا اداریہ

تنظیم اسلامی کے امیر اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطبۂ جمعہ کے دوران اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ بلاشبہ مسلم لیگ ایک قومی جماعت تھی اور اس کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس کی جدوجہد سے پاکستان بنا' لیکن یہ ملک ابھی تک اسلامی ریاست نہیں بن سکا' اس کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جس کے لوگ پہلے خود اپنی زندگیوں پر اسلام نافذ کریں اور پھر ملک میں اسلام کا نفاذ کریں۔.....ڈاکٹر اسرار احمد سے بھی قوم یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ آخر اسلامی ریاست سے ان کی مراد کیا ہے اور اس وقت پچاس سے زائد آزاد مسلم ممالک میں سے کونسا ملک ایسا ہے جسے ڈاکٹر صاحب اسلامی ریاست کا ماڈل قرار دے سکتے ہیں۔ شکر کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسلم لیگ نے ایک قومی جماعت کے طور پر تحریک پاکستان کو منطقی کامیابی سے ہمکنار کیا اور اپنے وقت کی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت وجود میں آگئی' لیکن ڈاکٹر صاحب ملک میں اسلام کے نفاذ کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں جس کے ارکان پہلے اپنی زندگیوں پر اسلام نافذ کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحب اگر وضاحت کر دیتے کہ آیا اس طرح کی جماعت سے ان کی مراد ان کی سابقہ جماعت اسلامی نہیں جس کے پلیٹ فارم سے خود انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی تعریف و توصیف کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد کے لئے اس جماعت کو اسلامی کہنا مشکل ہو رہا ہے اور اس کا وہی مخصوص پس منظر ہے جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کی پوری قیادت اور برصغیر کی دیگر مذہبی شخصیات از قسم مولانا آزادؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کی مخالفت کی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی یہاں تک اصلاح کر لی ہے کہ وہ مولانا مدنی اور مولانا آزاد کے ایک مخصوص رنگ

کی وجہ سے ان کے مداح رہے ہیں جبکہ انہوں نے ان صاحبان کی متحدہ قومیت کی کانگرسی سوچ سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔

ہم ڈاکٹر صاحب کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ پاکستان کی نئی نسل کے سامنے مولانا آزاد اور مولانا مدنی کا وہی ایک روپ ہے جو ان کی کانگرس کی غلامی اور کانگرسی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ نئی نسل مولانا آزاد کو کانگرس کے صدر اور بھارتی حکومت کے ایک وزیر اور منتری کی حیثیت سے پہچانتی ہے اور مولانا مدنی نے جس طرح قومیت کے مسئلے پر حضرت علامہ اقبالؒ سے "متھا" لگایا اور جس طرح حضرت علامہ کو یہاں تک کہنا پڑا کہ "از دیوبند حسین احمد' ایں چہ بوالعجبیست!"۔ مولانا مدنی انڈین نیشنلزم کے چیمپئن چارک تھے جبکہ حضرت علامہ کا فرمانا تھا کہ "خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی!"۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ حضرت علامہؒ اور قائداعظمؒ کا نظریۂ قومیت علمائے دین کی ایسی برانڈ کے مقابلے میں درست ثابت ہوا اور پاکستان کا معرض وجود میں آنا ہی ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے مترادف ہے۔ یہاں ہم سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست کیسے کہہ دیا تو اس کا سادا اور عام فہم جواب یہ ہے کہ جب پاکستان بنا اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر مسلمان ممالک نے انگریز' فرانسیسی اور ولندیزی استعمار سے آزادی حاصل کی تو اس وقت تک دور حاضر کے تقاضے ہی بدل چکے تھے۔ مسلمان ممالک گزشتہ ایک ڈیڑھ صدی سے غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس دوران میں ہماری سوچ جمود کا شکار رہی جبکہ اس عرصے میں دنیا میں تغیرات برپا ہو چکے تھے۔ آج نصف صدی بعد آزاد مسلمان ممالک کی تعداد بھی نصف صدی سے تجاوز کر چکی ہے لیکن آج کی دنیا نئے انقلابات سے دوچار ہے اور دور حاضر کے علوم و فنون اور تہذیب نے ایسا کمال حاصل کر لیا ہے کہ مسلمان ممالک کے لئے اس سے دوری بدقسمتی اور پسماندگی میں اضافہ ہی کر سکتی ہے اور کر رہی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے' مسلمانوں کا ذہن بالکل واضح ہے اور عبادات اور اعتقادات سے روگردانی کو کوئی بھی جائز تصور نہیں کرتا لیکن دور حاضر سے ہم آہنگی بھی لابدی تصور کی جاتی ہے۔

اگر جماعت اسلامی کی دنیاوی حالت پر نظر ڈالی جائے تو پچھلے چار پانچ عشروں میں ایک انقلاب آ چکا ہے' آج جماعت کا ایئر کنڈیشنڈ ہیڈ کوارٹر جدید فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ خود ڈاکٹر صاحب کے ہیڈ کوارٹر میں کس شے کی کمی ہے ——————— اس کے بعد آخر اسلام کے نفاذ میں کہاں کمی دکھائی دیتی ہے۔ رہا موجودہ طرز سیاست تو ہر مذہبی جماعت اور اس کے رہنمایان کرام سیاسی عمل کی بدعت میں شریک ہیں' صدارت سے لے کر سینٹ' قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی تک کے انتخابات میں حصہ بھی لیتے ہیں۔ یہ صورتحال اجماع امت پر دلالت کرتی ہے کہ موجودہ انتخابی عمل میں حصہ لینا کوئی غیر اسلامی یا قبیح فعل نہیں رہا۔ انتخابات کے ذریعے اسلامی ریاست کے عوام کاروبار مملکت چلانے کے لئے ایک سیاسی مشینری تشکیل دیتے ہیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے فرائض کی انجام دہی کی پابند ہے۔ یہی ایک ماڈرن اسلامی جمہوری فلاحی پارلیمانی ریاست کی تعریف ہو سکتی ہے اور اگر ڈاکٹر اسرار احمد یا قبلہ جنرل حمید گل کے ذہن میں اسلامی ریاست کا کوئی دوسرا تصور ہو' یا انڈونیشیا' ملائشیا سے لے کر عرب امارات' سعودی عرب' مصر' شام' یمن' اردن' مراکش' تیونس' ترکی' لیبیا' نائیجیریا تک کسی بھی ملک کو اسلامی ریاست کا ماڈل سمجھتے ہوں تو وہ اس کی نشاندہی فرمادیں تاکہ قوم کے ذہن سے کنفیوژن دور ہو سکے۔

اللہ خیر کرے، مجھ ایسے "بندۂ عاصی" کے حق میں مدیر نوائے وقت کی "مداراتیں" کچھ زیادہ ہی روز افزوں ہیں۔ ۷ / نومبر کے لیڈنگ ایڈیٹوریل میں انہوں نے مجھ پر جو خالص ذاتی نوعیت کی نوازشیں فرمائی ہیں، انہیں تو میں ع "کہ ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است!" کے حساب میں شمار کرتا ہوں، تاہم اصل موضوع یعنی جدید اسلامی ریاست کے دستوری خاکے سے متعلق کچھ عرض کرنے سے قبل تین تمہیدی باتیں عرض کرنی ضروری ہیں۔

پہلی یہ کہ اگر بقول ان کے "پاکستان کا وجود میں آجانا ہی ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے مترادف ہے" تو پاکستان سے بھی کہیں زیادہ بھاری مسلم اکثریت والے بیسیوں ملک جو اس سے قبل دنیا کے نقشے پر موجود تھے کس بنا پر "اسلامی ریاست" کی تعریف سے خارج کئے جاسکتے ہیں؟ اور اگر آج جو نصف صد سے بھی زائد مسلمان ملک دنیا میں موجود ہیں، جن میں سے تیرہ کے نام تو خود انہوں نے بھی گنوا دیئے ہیں، سب کے سب اسلامی ریاست قرار پاسکتے ہیں تو کیا اس کا منطقی نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ ع "شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا!" کے مطابق تسلیم کرلیا جائے کہ "اسلامی ریاست کسی حقیقتِ واقعی کا نام ہے ہی نہیں!---- گویا ع "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا!"---- اور ع "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!"

دوسری بات یہ کہ آج مسلمان تعداد میں سوا ارب سے زائد ہونے کے باوجود عالمی سطح پر ذلت اور مسکنت سے دوچار، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہی اس بنا پر ہیں کہ پوری دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جسے اسلامی ریاست، معاشرت اور معیشت کا "ماڈل" قرار دیا جاسکے۔ چنانچہ ہم بحیثیتِ مجموعی، اور بحیثیتِ امتِ مسلمہ اپنے فرضِ منصبی سے کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں، اور اپنے عمل کے ذریعے ع "دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی!" پر عمل پیرا ہونے اور اس طرح "شہادت علی الناس" کا فریضہ ادا کرنے کی بجائے "کتمانِ حق" یعنی حق کو چھپا لینے کے جرمِ عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور ؎

"خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!"

کے مصداق مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا کوئی علاج اس کے سوا موجود نہیں کہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں یعنی کم از کم کسی ایک ملک میں اسلامی ریاست کا صحیح "ماڈل" پیش کر دیا جائے۔ تاکہ نوع انسانی دینِ حق کی برکتوں کا مشاہدہ چشمِ سر سے کر سکے اور اس طرح اس پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے اتمامِ حجت ہو جائے۔

تیسری بات یہ کہ فی الواقع اسی مقصدِ عظیم کی خاطر پاکستان قائم ہوا ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز ایک صحیح اسلامی ریاست کا "ماڈل" بننے کی سعادت اسی سرزمین کو حاصل ہو گی۔ چنانچہ مشیتِ ایزدی اور حکمتِ خداوندی اور گزشتہ چار سو سال کی تاریخ سے قطع نظر' یہی بات تھی جو مصور و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں ارشاد فرمائی تھی ------ یعنی:

"میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تقدیرِ الٰہی ہے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات کے چہرۂ روشن پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام کی ایک جھلک نوعِ انسانی کو دکھا سکیں!"

اور یہی بات بانی و معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی فرمائی تھی کہ:

"ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!"

یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ اُس وقت کے حالات میں حصولِ پاکستان کے لئے تحریک لامحالہ "قومی" بنیادوں ہی پر چلائی جا سکتی تھی لہٰذا اس میں ہر وہ شخص شریک اور شامل کر لیا گیا جو مسلمانوں کا سا نام رکھتا ہو' خواہ اس کا عمل اور کردار کیسا ہی ہو' لہٰذا قیامِ پاکستان کے بعد خود قائداعظم کو کہنا پڑا کہ میری جیب میں سوائے کھوٹے سکوں کے اور کچھ نہیں ہے! ------ الغرض قیامِ پاکستان کو اگرچہ یقیناً اسلامیانِ ہند کی بہت بڑی کامیابی اور اللہ

تعالیٰ کے بہت بڑے فضل و کرم کے مظہر ہونے کی حیثیت حاصل ہے، تاہم یہ ہمارے سفر کی صرف پہلی منزل ہے۔ اور ع "وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے!" کے مصداق سفر کا اصل اور زیادہ کٹھن مرحلہ ابھی سر کرنا ہے۔ اور اس کے لئے اگرچہ اصل ضرورت تو ایک ایسی جماعت کی ہے جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو اولاً خود اپنی ذات اور دائرہ اختیار میں اسلام کو بالفعل نافذ کریں اور پھر نظامِ باطل کو بدلنے کے لئے نہ صرف یہ کہ تن من دھن وقف کر دیں، بلکہ جان ہتھیلی پر رکھ کر ایک مضبوط اور منظم جماعت کی صورت اختیار کر کے بالفعل "حزب اللہ" بن جائیں، تاہم اس کی پہلی اور کم از کم، اور قطعاً ناگزیر اور لازمی و لابدی شرط یہ ہے کہ اس حقیقت کو سمجھ اور مان لیا جائے کہ ع "زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است!" کے مصداق موجودہ جملہ مسلمان ممالک اور ایک "حقیقی اسلامی ریاست" میں زمین اور آسمان کا فرق ہے!

اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ "جدید اسلامی ریاست" کے عنوان سے از خود ظاہر ہے کہ ہماری مطلوب و مقصود، اور زیر بحث و نظر ریاست میں دو اوصاف لازماً موجود ہونے چاہئیں، یعنی ایک اسلام، اور دوسرے جدیدیت! تو جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، ہر شخص خواہ وہ خود بالفعل اسلام پر عمل پیرا ہو یا نہ ہو، جانتا ہے کہ اسلام نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بے چون و چرا فرمانبرداری، اور بلا استثناء اطاعت کا! لہٰذا اس کے بارے میں کسی مزید بحث و گفتگو اور قیل و قال کی ضرورت نہیں ہے!

البتہ "جدیدیت" سے مراد کیا ہے؟ اور اس کے کونسے اجزاء ہمارے لئے قابل قبول ہیں اور کونسے نہیں؟ اس معاملے کی اچھی طرح تحقیق و تفتیش، اور بحث و تمحیص ضروری ہے۔ اس لئے کہ اصل "کنفیوژن" اسی معاملے میں پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ علامہ اقبال نے اصولی اعتبار سے تو بالکل بجا طور پر فرمایا ہے کہ ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید!

تاہم واقعہ یہ ہے کہ یہ اصول صد فی صد تو یا صرف فرد اور اس کی نفسیات پر منطبق ہوتا

ہے یا عمرانیات و اجتماعیاتِ انسانی کی صرف اولین اور اہم ترین منزل یعنی نظامِ معاشرت اور عائلی قوانین پر' جنہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "تدبیرِ منزل" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں صرف اصول و مقاصد ہی نہیں تفصیلی قوانین بھی پورے شرح و بسط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی و سرمدی کلام میں بیان فرما دیئے' جن کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ ششم میں بجا طور پر فرمایا ہے کہ مغرب سے مرعوب جدید ذہن ان کے ظاہری خدوخال میں الجھ کر رہ گیا ہے اور ان کی تہہ میں کارفرما حکمتوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکا ------ بہرحال اس کے بالکل برعکس معاملہ ہے سیاست و ریاست کا' کہ ان کے ضمن میں کتاب و سنت میں صرف اصولی ہدایات پر اکتفا کی گئی ------ اور کوئی تفصیلی خاکہ یا ڈھانچہ نہیں دیا گیا۔ اس لئے کہ اس میدان میں نوعِ انسانی کے عمرانی ارتقاء کا سفر ابھی جاری تھا۔ چنانچہ نزول قرآن کے وقت ہی نہیں' اس کے ایک ہزار سال بعد تک بھی ذہنِ انسانی پر یہ حقیقت منکشف نہیں ہو سکی کہ "ریاست" اور "حکومت" دو جدا چیزیں ہیں۔ اور حکومت کی حیثیت ریاست کے صرف انتظامی ادارے کی ہے اور شہریوں کی اصل وفاداری ریاست سے ہوتی ہے نہ کہ حکومت سے! اور حکومت کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا تو شہریوں کا بنیادی حق ہے۔ چنانچہ یہ اسی کا شاخسانہ تھا کہ حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما' اگرچہ صرف حکومت کی اصلاح (یا تبدیلی) کے لئے اٹھے تھے لیکن "حکومتِ وقت" کے لئے انہیں "باغی" قرار دینا آسان ہو گیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ انہوں نے معاذاللہ اسلامی ریاست کے خلاف علم بلند نہیں کیا تھا!

الغرض' سیاست اور ریاست کے میدان میں دو حقائق کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ایک یہ کہ اس معاملے میں ہمیں کتاب و سنت سے صرف اصول لینے ہوں گے اور ان کے ساتھ عمرانی ارتقاء کے ثمرات میں سے جو کتاب و سنت کے منافی نہ ہوں انہیں لازماً شامل کرنا پڑے گا ----- اور دوسری' اور قدرے تلخ حقیقت یہ کہ اس عمرانی ارتقاء میں ہم مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہے' یہ کُل کا کُل مغرب' اور زیادہ معیّن طور پر یورپ میں

ہوا ہے، تاہم یہ بات واضح طور پر سمجھ لی جانی چاہئے کہ یہ نوعِ انسانی کی مشترک متاع ہے اور جس طرح ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں مغرب کی دریافتوں اور ایجادوں سے بھرپور طور پر مستفید ہو رہے ہیں، اسی طرح ہمیں اس کی عمرانی ترقی اور اس میدان میں ان کی "یافت" کے بارے میں بھی زیادہ حساس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ فرق بہرحال ملحوظ رہے گا کہ طبعی سائنس پر مبنی ٹیکنالوجی کُل کی کُل "مباحات" میں شامل ہے (صرف اس کا غلط استعمال معصیت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔) جبکہ عمرانی ارتقاء کے ثمرات کے ضمن میں ہمیں صحیح و غلط، اور حلال و حرام کے مابین امتیاز بہرصورت کرنا ہوگا۔

(یہاں صرف بر سبیلِ تذکرہ یہ اشارہ مناسب ہے کہ معاشیات اور اقتصادیات کا معاملہ ایک جانب معاشرت اور عائلی قوانین، اور دوسری جانب سیاست و ریاست کے بین بین واقع ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ضمن میں قرآن حکیم نے جہاں اصول و مقاصد بھی واضح کر دیئے ہیں، وہاں بعض معیّن احکام بھی دے دیئے ہیں، اگرچہ اتنے تفصیلی نہیں جتنے معاشرت اور "تدبیرِ منزل" کے ضمن میں!)

اس تمہید کے بعد آیئے اب یہ دیکھیں کہ تصورِ ریاست و سیاست کے ضمن میں "جدیدیت" کن عناصر سے مرکب ہے۔ مختصر ترین اور سادہ ترین الفاظ میں بیان کیا جائے تو ع "یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان" کے مصداق "جدیدیت" بھی چار عناصر سے مرکب ہے، جن میں سے دو تو اسلام کی اساسی تعلیمات کے قطعاً منافی ہیں جن کا ترک واجب ہے، بقیہ دو میں سے بھی ایک وہ ہے جو تھا ہی اصلاً اسلام کی دین اور عطا، یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں نے بہت جلد اپنے آپ کو اس سے محروم کر لیا تھا۔ البتہ دوسری (اور کُل تعداد کے اعتبار سے چوتھی) چیز وہ ہے جو کُل کی کُل مغرب کی "یافت" ہے جسے ہمیں اس کے شکریئے کے ساتھ قبول کر لینا چاہئے۔ اور زیادہ گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو وہ ہے بھی خالص تیکنیکی نوعیت کی شے!

چنانچہ وہ دو عناصر جو دورِ حاضر کی ریاست اور سیاست کی رگ و پے میں زہرِ ہلاہل کی طرح سرایت کئے ہوئے ہیں، اور جن کی اسلام کے ساتھ نہ صرف یہ کہ کوئی مناسبت

نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کی اساسی تعلیمات کی عین "ضد" اور کلی نفی کی حیثیت رکھتے ہیں' سیکولرزم اور نیشنلزم ہیں۔ اور ہم مسلمانانِ برِ عظیم پاک و ہند پر علامہ اقبال کے فکر اور فلسفے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی فضل و کرم ہوا ہے' اس کے باعث ہم پر ان دونوں نظریات کا نوعِ انسانی کے حق میں زہرِ ہلاہل کی طرح مہلک' اور اسلام کی اساسی تعلیمات کی عین ضد ہونا اتنا واضح اور مبرہن ہے کہ ان پر کسی گفتگو کی نہ صرف یہ کہ کوئی حاجت محسوس نہیں ہوتی بلکہ یہ قرطاس و قلم' اور وقت و قوت کا خالص ضیاع نظر آتا ہے۔ تاہم صرف ضیافتِ طبع کے لئے سیکولرزم کی نفی کے لئے علامہ اقبال کے دو اشعار پیشِ خدمت ہیں جو اس ملحدانہ اور مشرکانہ تصور کے خلاف سیفِ قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں ---- یعنی ۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری!

اور ۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

رہا نیشنلزم یعنی "وطنی قومیت" کا نظریہ تو اس پر تو ان کی مکمل نظم نہ صرف یہ کہ "ضربِ حیدریؓ" کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ایک جانب غالب کے اس مصرعے کی مصداقِ کامل ہے کہ ؏ "عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں!" تو دوسری جانب غالب کے بارے میں حضرت علامہ کے اپنے شعر یعنی ۔

"فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا!"

کی مصداقِ اَتم ہے۔ مزید برآں حضرت علامہ کی یہ نظم اس اعتبار سے بھی "جوامع الکلم" کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں آغاز میں گفتگو خالص دینی اور اسلامی اعتبار سے ہوئی ہے۔ چنانچہ وطنی قومیت کے نظریئے کو عہدِ حاضر کے عظیم ترین "شرک" سے تعبیر کیا

گیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے زیر اثر وطن ایک "معبود" کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے بلفوائے۔

"اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!"

اور اختتام پر گفتگو خالص انسانی سطح پر ہوئی ہے، یعنی۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے

اور۔

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے!

اور آخری شعر میں ان دونوں کو جمع کر لیا گیا ہے---یعنی۔

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے!

الغرض، ہمیں جدید تصورِ ریاست کے ان دو عناصر کو تو "جدید اسلامی ریاست" کے تصور سے لازماً اور قطعی طور پر خارج کرنا ہو گا ہی، ان کے منطقی لوازم اور متضمنات کی بھی کامل بیخ کنی کرنی ہوگی۔

جدید تصورِ ریاست کا وہ عنصر جو حدیثِ نبویؐ: "الحِکمۃُ ضَالّۃُ المُؤمن" کے مطابق مومن کی گمشدہ متاع کی حیثیت رکھتا ہے اس کا "ریپبلیکن" مزاج ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اپنے ان دو اشعار میں بھی جو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہے ہیں سب سے زیادہ اشارہ اسی حقیقت کی جانب کیا ہے کہ۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست!"
(فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم!)

اور اپنے مشہور خطبات میں بھی انہوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

"ریپبلیکن طرز حکومت نہ صرف یہ کہ اسلام کی روح کے ساتھ کامل مطابقت رکھتا ہے بلکہ عالمِ اسلام میں جو نئے عوامل برسرکار ہو چکے ہیں ان کے پیش نظر ناگزیر بھی ہے۔" (خطبۂ ششم)

اور اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت درکار ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظام نہ ملوکیت اور شہنشاہیت پر مبنی تھا، نہ برہمنیت اور پاپائیت پر۔ بلکہ الفاظ قرآنی: "اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" کے مطابق اس کے جملہ معاملات مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی ایسے ہندو مہاتما کو بھی ۱۹۳۷ء میں جب پہلی بار ہندوستان میں صوبائی وزارتیں قائم ہوئیں تو کانگرسی وزراء کے سامنے قابلِ تقلید مثالوں کی حیثیت سے صرف ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لیتے بنی۔ اس لئے کہ قدیم ہند کی تاریخ میں بکرماجیت ہوں یا اشوک، اور چندر گپت ہو یا کنشک، ان کی انفرادی سیرت و کردار سے قطع نظر، ان کا نظام بہرحال ملوکیت اور شاہنشاہیت ہی پر مبنی تھا لہٰذا انہیں آج کے دور میں قابل تقلید مثالوں کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا! ------ تاہم اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام میں تو رفتہ رفتہ ملوکیت نے جڑیں پکڑ لیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں تو بقول جناب نعیم صدیقی۔ "پھر تخت بچھے، ایوان سجے" والا معاملہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا، البتہ غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے حریتِ فکر اور علم و حکمت کے جو سوتے وسطی یورپ کے ممالک تک پہنچے، جن کے زیر اثر وہاں ایک جانب احیاء العلوم، اور دوسری جانب اصلاحِ مذہب کی تحریکیں برپا ہوئیں، ان ہی کے ایک منطقی نتیجے کے طور پر بالآخر انقلابِ فرانس کا ظہور ہوا اور دنیا میں دوبارہ ریپبلیکن طرز حکومت کا آغاز ہوا۔ بہرحال جدید تصورِ ریاست کا یہ عنصر ہم مسلمانوں کے لئے اپنی "گمشدہ متاع" کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا حدیثِ نبویؐ کے الفاظ کے مطابق اس پر تو ہمارا

"حق" دوسروں سے فائق ہے۔

البتہ آخری چیز جو کُل کی کُل مغرب کی "یافت" کی حیثیت رکھتی ہے اور جس پر ہمیں انگریزی زبان کی ضرب المثل "شیطان کو بھی اس کا جائز حق ضرور دیا جانا چاہئے!" کے مطابق مغرب کا ممنون ہونا چاہئے' اور جسے ان کے شکریئے کے ساتھ قبول کر لینا ہمارے اپنے حق میں مفید اور خواہ مخواہ رد کر دینا ہمارے اپنے لئے ہی مضر ہے' وہ ہے ایک جمہوری ریاست اور ریپبلکن طرز حکومت کے تین اعضائے رئیسہ یعنی مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ کی تعیین' پھر ان کے جداگانہ وظائف و فرائض کا تعین' اور سب سے بڑھ کر ان کے مابین اختیارات کے ضمن میں تحدیدات اور توازن کا نظام۔ اور "آخری لیکن کمترین نہیں" کے مصداق اس مخصوص نظامِ ریاست و حکومت کے لئے اساسی اداروں کی تشکیل' جیسے سیاسی جماعتوں اور انتخابات کا نظام' اور پریس اور اس کا مناسب اخلاقی حدود کے اندر تنقید کا حق وغیرہ! ------ یہ تمام چیزیں' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' درحقیقت ایک نوع کی "ٹیکنالوجی" ہی ہے۔ اسی لئے انہیں مجموعی طور پر "سٹیٹ کرافٹ" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ضمن میں وہی اصول درست ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے' یعنی یہ کہ جو چیز کتاب و سنت کے بالکل منافی ہو رد کر دی جائے' باقی کو اسلام کے اصولوں کے ساتھ شامل کر کے "جدید اسلامی ریاست" کا ڈھانچہ تیار کیا جائے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ترجیحات میں اگرچہ اولین اور اہم ترین معاملہ تو اقتصادی عدل اور سماجی انصاف کا ہے' اور آئندہ ان شاء اللہ اسی موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوگی' تاہم چونکہ "جدید اسلامی ریاست" کی بحث ایک اہم قومی روزنامے کے اداریے کی بنا پر چھڑ گئی ہے' لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسے اختصار کے ساتھ سمیٹ لیا جائے۔

اس سلسلے میں جو کچھ گزشتہ صحبت میں عرض کیا جا چکا ہے اس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ ---- چونکہ (۱) اسلام نے ریاست کے ضمن میں صرف اصول دیئے ہیں' تفصیلی خاکہ یا ڈھانچہ کوئی نہیں دیا۔ (۲) ریپبلکن طرز حکومت نہ صرف اسلام کی روح کے عین

مطابق ہے' بلکہ اصلاً اسی کا عطا کردہ ہے۔ اور (۳) جدید ریاست کے اعضاءِ رئیسہ (مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ) کے وظائف و فرائض' ان کے مابین حقوق اور اختیارات کی تقسیم اور توازن کا نظام' اور مختلف جمہوری اداروں کی تشکیل' یعنی فی الجملہ "سٹیٹ کرافٹ" ایک نوع کی ٹیکنالوجی ہے جو اکثر و بیشتر "مباح" کے درجہ میں ہے ---- لہٰذا اگر عہدِ حاضر کی جمہوری ریاست کے تصورات میں صرف دو تبدیلیاں کر دی جائیں تو وہ "جدید اسلامی ریاست" کی صورت اختیار کرلے گی۔ پہلی تبدیلی یہ کہ سیکولرزم کے تصور کو نکال دیا جائے اور اسلام کو صرف "سرکاری مذہب" کے طور پر نہیں' بلکہ دین و دنیا' اور مذہب و ریاست کی جامع حقیقت کی حیثیت سے پورے نظام زندگی پر غالب و نافذ قرار دیا جائے۔ اور دوسری تبدیلی یہ کہ "وطنی قومیت" کی بجائے "مسلم قومیت" کو بطورِ اساس قبول کیا جائے۔

اس کے عملی نتیجے کو سادہ ترین الفاظ میں یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ -- عہدِ حاضر کے کسی بھی جمہوری نظام حکومت میں' خواہ وہ پارلیمانی ہو' خواہ صدارتی' اور خواہ وحدانی ہو خواہ وفاقی' اگر تین چیزیں شامل کرلی جائیں' جو باہم لازم و ملزوم' اور ایک دوسرے کے منطقی نتیجے کی حیثیت رکھتی ہیں تو وہ ریاست اسلامی بن جائے گی یعنی (۱) اولاً یہ تسلیم کیا جائے کہ یہاں حاکمیت اصلاً اللہ کی ہے اور انسان کے پاس صرف "خلافت" ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ یہاں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو ہر چیز پر بالا تری اور بالا دستی حاصل ہوگی اور کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جاسکے گا۔ اور (۳) تیسرے یہ کہ اگرچہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت' اور عقیدے' عبادات اور پرسنل لاء کی آزادی کی ضمانت کے حق میں بلا لحاظِ رنگ و نسل' اور بلا امتیاز عقیدہ و مسلک تمام شہری برابر کے شریک ہون گے' لیکن قانون سازی کے عمل اور ریاست کی بلند ترین پالیسی کی تعیین و تشکیل میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکیں گے جو اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہوں۔

اب اگر ان تینوں اعتبارات سے وطنِ عزیز پاکستان کے معروضی حالات کا جائزہ لیا

جائے تو حسب ذیل صورت سامنے آتی ہے :-

(۱) چونکہ پاکستان ایک ایسی زبردست عوامی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوا تھا جس کی بنیاد "مسلم قومیت" کے اصول اور نظریئے پر تھی، لہٰذا جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ تو یہاں بہت جلد اور بہت آسانی سے طے ہو گئی تھی۔ چنانچہ "قراردادِ مقاصد" کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ وضاحت کر دی گئی تھی کہ اہالیانِ پاکستان کے پاس جو بھی اختیار و اقتدار ہے وہ حاکمِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ "مقدس امانت" کی حیثیت رکھتا ہے اور صرف ان حدود کے اندر اندر استعمال ہو گا جو اس اصل حاکم نے معیّن کر دی ہیں۔ مزید برآں یہاں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور سماجی عدل کے وہ تصورات اور معیارات نافذ کئے جائیں گے جو اسلام نے معیّن کئے ہیں۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس اعتراف اور اعلان نے ریاستِ پاکستان کی اساسی نوعیت اور آئندہ بننے والے مفصل دستور کے خدوخال کو واضح طور پر متعین کر دیا تھا۔ اور بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں جبکہ پورے عالم انسانی پر مادیت، الحاد، اور سیکولرزم کا فیصلہ کن غلبہ تھا دس کروڑ سے زائد انسانوں کی نمائندہ دستور ساز اسمبلی کی جانب سے یہ اعلان اور اظہار ---- ع "کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں!" کے مصداق ہر گز کسی "معجزے" سے کم نہیں تھا۔

لیکن چونکہ اس قرارداد کی حیثیت صرف "مقدمۂ دستور" کی رہی، جس کی بنیاد پر کسی عدالت میں کوئی مرافعہ دائر نہیں کیا جا سکتا تھا، لہٰذا یہ عملی طور پر بالکل غیر مؤثر رہی۔ اور مرحوم صدر ضیاء الحق نے ۱۹۸۵ء میں اسے دفعہ ۲۔الف کے طور پر "جزوِ دستور" بنایا بھی تو ایسے نیم دلانہ اور سطحی انداز میں کہ دستور کی دیگر مختلف دفعات میں جو چیزیں کسی اعتبار سے اس سے مختلف یا متصادم موجود تھیں انہیں بھی برقرار رکھا اور خارج یا ساقط نہیں کیا۔ لہٰذا اس سے اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں میں شدید ابہام بلکہ تصادم پیدا ہوا کہ کسی صوبائی عدالتِ عالیہ نے اس دفعہ ۲۔الف کو دوسری دفعات کی "ناسخ" مان کر اس کے مطابق کوئی فیصلہ صادر کر دیا تو سپریم کورٹ نے دستورِ پاکستان ہی کی کسی دوسری دفعہ کے

حوالے سے اسے کالعدم قرار دے دیا۔ ..

بہرحال اب اگر ہمیں فی الواقع خلوصِ قلب اور عزمِ مصمم کے ساتھ پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بنانا ہے تو لازم ہے کہ اس قرارداد کو دستور کی دفعہ ۲۔الف نہیں بلکہ اصل دفعہ ۲ قرار دیا جائے اور اصل دفعہ کے موجود الفاظ یعنی "پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا" کو یا تو سرے سے حذف کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ سیکولرزم کے نظریہ ریاست کے تحت مذہب کے محدود تصور کی غمازی کرتے ہیں' یا انہیں قراردادِ مقاصد کی توضیح مزید کے طور پر ذیلی دفعہ ۲۔الف کی حیثیت دی جائے۔

(۲) بالکل یہی معاملہ قرآن و سنت کی کامل بالادستی کے ضمن میں ہوا۔ یعنی یہ کہ اگرچہ یہ دفعہ پاکستان کے ہر دستوری مسودے میں شامل رہی کہ : "یہاں کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں کی جاسکتی" لیکن یہ بھی ایک طویل عرصے تک تو صرف "رہنما اصولوں" کے زمرے میں شامل اور اس لئے عملاً غیر مؤثر رہی۔ اور جنرل ضیاء الحق صاحب کے دور میں اس پر کسی قدر عملی پیش رفت کا آغاز ہوا بھی تو ایسے نیم دلانہ سے بھی کم تر انداز میں اور اتنی اگر مگر کے ساتھ کہ پورا معاملہ ایک لاحاصل مشق (EXERCISE IN FUTILITY) ہی نہیں باقاعدہ کھیل تماشے کی صورت اختیار کر گیا۔ تاہم چونکہ یہ معاملہ "اللہ تعالیٰ کی تشریعی حاکمیت" کے بالفعل نفاذ کی واحد عملی صورت کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کے گہرے تجزیئے اور اس کے صحیح اور غلط اجزاء کی واضح نشاندہی کی شدید ضرورت ہے۔

اس سلسلے کی پہلی اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کا جو عملی راستہ اختیار کیا گیا وہ اصولی طور پر بالکل درست تھا۔ یعنی یہ کہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا کوئی رائج الوقت قاعدہ اور قانون' یا زیر تجویز مسودۂ قانون' کُلی یا جزوی طور پر کتاب و سنت سے متصادم یا ان کی حدود سے متجاوز ہے یا نہیں اعلیٰ عدالتوں ہی کو کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جدید تصورِ ریاست کے مطابق دستورِ مملکت کی پاسداری' اور اس کے مطابق انتظامیہ اور مقننہ کی نگرانی اعلیٰ عدالتوں ہی کا فریضہ اور وظیفہ ہے۔ یعنی جس طرح دستور میں طے شدہ بنیادی حقوقِ

شہریت پر انتظامیہ یا مقننہ کی دست درازی پر ہر شہری کو حق حاصل ہوتا ہے کہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے دروازے پر دستک دے، اسی طرح اگر کسی ریاست کے دستور میں یہ طے کر دیا گیا ہو کہ یہاں قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کو مطلق بالادستی حاصل رہے گی اور کوئی قاعدہ یا قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جاسکے گا تو اگر کسی شہری کا یہ خیال ہو کہ کسی معاملے میں اس اصول کی خلاف ورزی ہو رہی ہے تو اسے حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ اعلیٰ عدالتوں سے چارہ جوئی کر سکے۔ اور ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ وہ اس کے ضمن میں نفیاً یا اثباتاً فیصلہ صادر کر سکے اور اگر اس کی رائے میں کوئی قانون جزوی یا کلی طور پر اس دفعہ کی زد میں آتا ہو تو اسے کالعدم قرار دے سکے۔ اگرچہ اس طرح جو خلا پیدا ہو گا اسے پُر کرنے اور کالعدم قرار پانے والے قانون کی جگہ متبادل قانون سازی کا اختیار بہر صورت مقننہ ہی کو حاصل رہے گا جس کے لئے اسے معیّن مہلت دی جاسکتی ہے، بلکہ دی جانی چاہئے۔

اس مشکل مسئلے کے اس واحد ممکن العمل حل کے علاوہ جتنی دوسری صورتیں آج تک تجویز کی گئی ہیں وہ یا روحِ دین سے متصادم ہیں، یا روحِ عصر کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً سب سے پہلی تجویز جو خود بخود ذہن میں آتی ہے مقننہ کے ساتھ ایک "علماء بورڈ" کی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ کے دوران بھی سب سے پہلے اسی تجویز کو اختیار کیا گیا تھا، جس نے بعد میں ذرا سے فرق کے ساتھ "اسلامی نظریاتی کونسل" کی صورت اختیار کی۔ لیکن اس کے ضمن میں فوری طور پر جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا اس بورڈ یا کونسل کا فیصلہ آخری اور حتمی ہو گا یا اس کی حیثیت محض "سفارش" کی ہوگی۔ پہلی صورت اختیار کی جائے تو یہ "تھیاکریسی" بن جاتی ہے، جو روحِ عصر سے بھی براہِ راست متصادم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور دوسری صورت میں اگر آخری فیصلہ کا دار و مدار منتخب نمائندوں کی عددی اکثریت ہی پر رہتا ہے تو یہ نہ صرف یہ کہ "حاکمیتِ عوام" کا وہ سیکولر تصور ہے جو اللہ کی حاکمیت سے متصادم ہے بلکہ اس صورت میں بورڈ یا کونسل کی حیثیت عضوِ

معطل کی سی ہو جاتی ہے۔ (جیسا کہ فی الواقع ہوا بھی۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے انبار وزارتِ قانون کی الماریوں میں دفن ہوتے چلے گئے اور قوم کا وہ پیسہ جو اس پر خرچ ہوا مسلسل ضائع ہوتا رہا)۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبۂ ششم میں اگرچہ علماء بورڈ کی تجویز کو عارضی طور پر اختیار کرنے کی اجازت دی تھی، تاہم اسے "خطرناک" بھی قرار دیا تھا اور مستقل نظام کے اعتبار سے اسے بالکل مسترد کر دیا تھا۔

اس کے برعکس اگر کتاب و سنت کی بالادستی کو اصولاً تسلیم کر کے اس کے عملی نفاذ کے معاملے کو کلیتہً پارلیمنٹ یا مقننہ ہی کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو منطقی طور پر لازم ہو گا کہ پارلیمنٹ کے لئے انتخابات میں حصہ لینے کی اہلیت کے ضمن میں سیرت و کردار کی درستی اور اس معاملے میں کم از کم معیار کے لزوم کے ساتھ ساتھ دین و شریعت کے بنیادی علم و فہم کو بھی لازمی شرط قرار دیا جائے۔ اور ایک طویل المیعاد منصوبے کے اعتبار سے یہ ناقابلِ عمل بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ نے بھی اپنے مذکورہ بالا خطبے میں علماء بورڈ کے متبادل کے طور پر یہی تجویز فرمایا ہے کہ ایک جانب علماءِ دین اور ماہرینِ شریعت خود مقننہ میں مؤثر حیثیت سے شریک ہوں اور دوسری جانب ملک کے نظامِ تعلیم میں دین و شریعت کے علم و فہم کو جزو لاینفک کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔۔۔ تاہم ایک تو فی الوقت کم از کم قابلِ دید مستقبل کی حد تک یہ دونوں باتیں حاصل اور دستیاب نہیں ہیں۔ دوسرے ہر معاملے میں آخری فیصلہ کا دارومدار بالعموم نہایت باریک اور پیچیدہ قانونی اور علمی نکات پر ہوتا ہے جن پر بحث و تمحیص کی مناسب جگہ جس طرح "جلسۂ عام" اور "ہجومِ مومناں" نہیں ہوتا اسی طرح پارلیمنٹ کا فلور بھی نہیں ہوتا جہاں ساری بحث اور کُل جنگ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے مابین سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے لئے مناسب جگہ عدالت ہی ہوتی ہے جہاں ماہرینِ قانون و دستور کو بھی بحث و تمحیص کا پورا حق اور موقع حاصل ہوتا ہے اور علماءِ دین اور ماہرینِ شریعت کو بھی اپنے دلائل پیش کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے

کہ جانبین کی طرف سے مسئلے کی پوری چھان پھٹک' اور جملہ مخالف و موافق دلائل کے سامنے آنے کے بعد عدالت کے لئے صحیح فیصلے تک پہنچنا قطعاً مشکل نہیں رہتا۔

الغرض' ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں قرآن و سنت کی بالادستی کی عملی تنفیذ کے ضمن میں پیش رفت کے لئے جو راستہ اختیار کیا گیا وہ اصولاً تو درست تھا لیکن ع "دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنادے۔ ورنہ کہیں تقدیر تماشا نہ بنادے!" کے مصداق چونکہ وہ اس معاملے میں بالفعل "دیوانگی" کی بجائے زمانہ سازی والی "فرزانگی" پر عمل پیرا تھے' لہٰذا انہوں نے درست سمت میں اقدام کے ساتھ تین کام ایسے بھی کئے جنہوں نے اس پورے معاملے کو فی الواقع "تماشا" بنا کر رکھ دیا۔ یعنی : (۱) اولاً شرعی عدالتوں یا عدالت کا جداگانہ نظام' جس سے دین اور دنیا' اور مذہب و ریاست کی "دوئی" اور علیحدگی کے سیکولر تصور کو تقویت حاصل ہوئی۔ (۲) شرائطِ ملازمت اور حقوق و مراعات کے باب میں شرعی عدالت کے جج صاحبان کا معیار موجودہ دنیا کے مروّجہ اور مسلّمہ معیارات (جو خود ہمارے ملک میں بھی دوسری عدالتوں کے ضمن میں رائج ہیں) سے کم تر رکھا' جس سے ان شبہات کو تقویت حاصل ہوئی کہ درحقیقت یہ سارا کھیل اپنی سیاسی مصلحتوں اور مقاصد کے تحت کھیلا جا رہا ہے۔ اور (۳) سب سے بڑھ کر یہ کہ "وفاقی شرعی عدالت" کے دونوں ہاتھوں میں دو ہتھکڑیاں بھی پہنا دیں' اور دونوں ٹانگوں میں دو بیڑیاں بھی ڈال دیں --- یعنی ایک جانب دستورِ پاکستان اور عدالتی قوانین کو اس کے دائرہ کار سے باہر قرار دے دیا تو دوسری جانب مالی معاملات' اور حد یہ ہے کہ عائلی قوانین تک کو اس کی "دستبرد" سے محفوظ کر دیا۔ اور اس طرح گویا پورے ملک اور پوری قوم کو اس پوزیشن میں کھڑا کر دیا جو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۸۵ میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ

"تو کیا تم (ہماری) کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ حصے کو نہیں مانتے؟ تو جان

لوکہ جو لوگ یہ روش اختیار کریں گے ان کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی میں مبتلا کئے جائیں' اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں!" (اعاذنا اللہ من ذلک!)

قصہ مختصر' اگر ہماری نیت اور ارادہ پاکستان میں فی الواقع ایک حقیقی اسلامی ریاست قائم کرنے کا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ ملک کے دستورِ اساسی کی نافذ العمل اور واجب العمل دفعات میں قرار دادِ مقاصد کو دفعہ ۲ کی حیثیت دینے کے فوراً بعد اس دفعہ کو شامل کیا جائے کہ "یہاں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو ہر معاملے میں مطلق بالادستی حاصل ہوگی اور کسی بھی سطح پر کوئی قاعدہ یا قانون ایسا نہیں بنایا جاسکے گا جو کتاب و سنت کے منافی ہو!" اور اس کی عملی تنفیذ کا یہی راستہ اختیار کیا جائے کہ ہر شہری کو حق حاصل ہو کہ اس پہلو سے کسی بھی معاملے میں اعلیٰ عدالتوں کے در پر دستک دے سکے۔ اور ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کو یہ اختیار حاصل ہو کہ اس اصول کی بنیاد پر کسی بھی قانون یا قاعدے کو جزوی یا کلی طور پر کالعدم قرار دے سکے!

البتہ یہ ظاہر ہے کہ بحالاتِ موجودہ اس "کڑوی گولی" کا نگلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک و قوم کے خواص و عوام کی معتدبہ اور مؤثر تعداد اسلام پر بالفعل عمل پیرا ہونے اور مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کا عزمِ مصمم کرلے اور بحیثیتِ مجموعی قوم میں اسلام کے حق میں ایک "مجموعی ارادہ" (COLLECTIVE WILL) نہ صرف پیدا ہو جائے بلکہ بالفعل ظہور کرکے جانی و مالی قربانیوں کے ذریعے اپنا لوہا منوالے۔ اور چونکہ تاحال ملک کی بیشتر مذہبی جماعتوں نے' بجائے اس کے کہ اپنی جملہ مساعی کو اسی ایک نکتے پر مرکوز کرتیں' انہیں کشاکشِ اقتدار کے میدان میں ضائع کیا ہے' لہٰذا نفاذِ شریعت کے ساتھ جو مذاق ضیاء الحق مرحوم نے متذکرہ بالا صورت میں کیا تھا اس سے بھی کہیں آگے بڑھ کر نام نہاد شریعت بل کے ذریعے شریعت کی جو مٹی آئی جے آئی کی حکومت کے ہاتھوں پلید ہوئی وہ تو ع "جو میں بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری!" کے مصداق اس داستان کا تاریک ترین باب ہے۔

جدید اسلامی ریاست میں قومیت کا مسئلہ

عہد حاضر میں "قومیت" کا ایک تصور تو وہ ہے جسے انگریزی میں نیشنیلٹی (NATIONALITY) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عربی میں "جنسیت" سے۔ یہ ایک خالص انتظامی معاملہ ہے جو صرف ملک سے باہر جانے کے لئے "جوازِ سفر" یعنی پاسپورٹ میں اندراج کے کام آتا ہے۔ (واضح رہے کہ عربی زبان میں پاسپورٹ کو واقعتاً "جوازِ سفر" ہی کہا جاتا ہے۔ اور اس لفظ کے حوالے سے جو شعر مجھے ہمیشہ یاد آجایا کرتا ہے' اور جو عہدِ حاضر کے بہت سے رہنماؤں پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے' قارئین کی تفننِ طبع کے لئے پیش خدمت ہے : ۔ "تری رہبری کا یہ فیض ہے' قدم اہلِ شوق کے رک گئے۔ نہ کوئی جوازِ سفر ملا' نہ کوئی دلیلِ قیام ہے!") اس معنی میں ہندوستان میں بسنے والا ہر انسان خواہ مسلمان ہو یا ہندو' اور عیسائی ہو یا پارسی "ہندی" (انڈین) کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح پاکستان میں آباد ہر انسان خواہ کسی بھی صوبے میں رہائش پذیر ہو' پھر خواہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتا ہو' اور کسی بھی مذہب یا مسلک سے منسلک ہو "پاکستانی" قرار پاتا ہے۔ بہرحال قومیت کا یہ تصور ایک انتظامی ضرورت ہونے کے اعتبار سے "مباح" ہے۔ اور اس میں دینی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن "قومیت" کے مسئلے کا دوسرا پہلو خالص نظریاتی اور فلسفیانہ ہے۔ چنانچہ عہدِ حاضر کا مشہور و معروف' اور مقبول و محبوب نظریہ تو وہ ہے جسے "وطنی قومیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی رُو سے کسی ملک میں رہنے والے تمام انسان خواہ وہ اس کے کسی بھی حصے یا علاقے میں آباد ہوں' پھر خواہ کسی بھی نسل سے متعلق ہوں' کوئی بھی زبان بولتے ہوں' حتیٰ کہ کسی بھی عقیدے یا مذہب کے پیرو کار ہوں' کم از کم دستوری اور قانونی اعتبار سے ان کے جملہ "حقوق" بالکل "مساوی" ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس وقت پوری دنیا میں "نیشن سٹیٹ" کا یہ تصور پوری طرح چھایا ہوا ہے لہٰذا اس سے مختلف کسی بات کو نہ صرف یہ کہ ذہن آسانی کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا بلکہ اس پر غور

کرنے کے لئے بھی بہ مشکل ہی آمادہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ تصور "اسلامی ریاست" ہی نہیں' کسی بھی نظریاتی ریاست کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ کسی نظریاتی معاشرے میں اگرچہ نسل' رنگ اور زبان کی بنا پر تو انسانوں کے مابین کوئی تقسیم یا تفریق نہیں ہوتی' لیکن ظاہر ہے کہ خود نظریئے کی اساس پر تو ایک امتیاز قائم ہوتا ہے۔ اور اس کی بنا پر ریاست کے نظام کو بالفعل چلانے کی اصل ذمہ داری اور اس کی اعلیٰ ترین سطح پر پالیسی کی ترجیحات طے کرنے کے معاملے میں ایک فرق اور تفاوت بہرحال وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ "اسلامی ریاست" میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا دستوری اور آئینی سطح پر' حقوق اور اختیارات کے اعتبار سے بالکل "مساوی" ہونے کا تصور نہ صرف یہ کہ قطعاً غیر منطقی اور غیر معقول ہے' بلکہ بجائے خود "اسلامی ریاست" کے بنیادی تصور کی کامل نفی کے مترادف ہے۔

اس مسئلے کے خالص علمی اور نظری پہلو سے قطع نظر' خاص طور پر پاکستان کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہ قائم ہی وطنی قومیت کے متذکرہ بالا معروف تصور کی نفی پر ہوا ہے۔ اس لئے کہ انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین اصل نزاع ہی یہ تھا کہ کانگرس وطنی قومیت کے نظریئے کی علمبردار تھی جبکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی دعویدار تھی۔ اور مسلمانوں کی قومیت کی اساس ان کے جداگانہ نظریات و عقائد' زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ان کے علیحدہ قوانین و ضوابط' اور فی الجملہ ان کی جداگانہ تہذیب و ثقافت کو قرار دیتی تھی۔ چنانچہ "مسلم قومیت" کی اسی اساس پر حصولِ پاکستان کی تحریک چلائی گئی' جو کامیاب بھی اسی لئے ہوئی کہ مسلم لیگ نے مسلمانانِ ہند کی عظیم اکثریت کے احساسات و جذبات کی صحیح ترجمانی کی تھی۔ گویا علامہ اقبال کا یہ شعر کہ ؎

"اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ"

اگرچہ نظری اور اصولی طور پر تو پوری امتِ مسلمہ اور جملہ مسلمانانِ عالم پر منطبق ہوتا ہے' تاہم واقعاتی اور تاریخی اعتبار سے بھی کم از کم پاکستان پر تو صد فی صد صادق آتا ہے'

اس لئے کہ اس نے تو گویا جنم ہی اس نظریئے کے بطن سے لیا ہے کہ ۔

"ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!"

لہٰذا اس ملک میں وطنی قومیت کے نظریئے کا عملی نفاذ منطقی اعتبار سے خود اس کے وجود ہی کی نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ واضح رہنا چاہئے کہ منطق کی تلوار بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ اور اس عالمِ اسباب میں جو شے اپنا منطقی جواز کھو بیٹھے وہ جلد یا بدیر اپنا وجود بھی کھو بیٹھتی ہے اور بالآخر معدوم ہو کر رہتی ہے!

اس جملہ معترضہ سے قطع نظر، اسلامی ریاست میں اگرچہ بعض بنیادی حقوقِ شہریت میں تو مسلم اور غیر مسلم سب برابر کے شریک ہوں گے، لیکن دو سطحوں پر غیر مسلموں کی شرکت و شمولیت عقلی اعتبار سے غیر منطقی اور اخلاقی اعتبار سے محض دھوکا اور فریب کے مترادف ہے۔ یعنی:

(۱) "قانون سازی" کو اگر حق قرار دیا جائے تب بھی، اور ذمہ داری سے تعبیر کیا جائے تب بھی، یہ اسلامی ریاست میں صرف مسلمانوں کے کرنے کا کام ہے۔ اس میں کسی غیر مسلم کی شرکت یا شمولیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ قانون سازی کو حق سمجھا جائے، جیسا کہ عہدِ حاضر میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے، تب بھی چونکہ اسلامی ریاست میں قانون کا اصل منبع قرآن اور سنّتِ رسول ﷺ ہیں لہٰذا جو لوگ نہ قرآن پر ایمان رکھتے ہوں، نہ رسول اللہ ﷺ پر، انہیں یہ حق کسی بھی دلیل کے تحت نہیں دیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ صرف اس حقیقتِ واقعی کے پیشِ نظر کہ چونکہ ایک ایسے ملک میں جس کے باشندوں کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہو، اسمبلی یا پارلیمنٹ میں غیر مسلموں کی تعداد بہرصورت آٹے میں نمک کے برابر ہوگی لہٰذا وہ کسی طرح مؤثر نہیں ہوسکتے، یہ خیال کیا جائے کہ محض دنیا کو دھوکہ دینے کی خاطر انہیں بھی نیشنل اسمبلی یا پارلیمنٹ میں شرکت کا موقع دینے میں کوئی حرج نہیں ہے! تاہم یہ معاملہ "گندم نمائی اور جو فروشی" کے مترادف ہے جو اسلامی ریاست کے اعلیٰ اور

ارفع اخلاقی تصورات کے ساتھ کوئی میل نہیں کھاتا۔

مزید برآں، حقیقت کے اعتبار سے اسلامی ریاست میں قانون سازی کا معاملہ "حق" نہیں، ایک نازک "ذمہ داری" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اصل نوعیت "اجتہاد" کی ہے جس کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرنے کے لئے ایمان کے بھی صرف زبانی اقرار کی نہیں توحید، معاد اور رسالت پر گہرے "یقین" کی ضرورت ہے، تو جو لوگ زبانی اقرار تک سے محروم ہوں ان پر اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ کس طرح ڈالا جاسکتا ہے؟ اور ان سے یہ توقع منطق کے کس اصول یا قاعدے کے تحت رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی زیر غور مسئلے میں کتاب و سنت کے اصل منشا اور حقیقی مقصد کو معیّن کرنے میں مقدور بھر سعی و جہد کا حق ادا کر سکیں گے؟

(۲) ثانیاً کسی نظریاتی ریاست کی اعلیٰ ترین پالیسی کی سطح پر اولین ترجیح اس نظریئے کے فروغ، اور عالمی سطح پر اس کی نشر و اشاعت کو حاصل ہوتی ہے جس پر اس کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین کی حکومت اور قیادت پر چینی کمیونسٹوں کا اولین الزام ہی یہ تھا کہ اس نے مارکسی نظریئے کی علمبرداری اور اس کے عالمی سطح پر فروغ کو پسِ پشت ڈال کر "روسی نیشنلزم" کی راہ اختیار کرلی ہے۔ تاہم یہ صرف ایک "تشبیہ" ہے، دلیل نہیں۔ اس لئے بھی کہ اب خود چین بھی "زوالِ علم و عرفاں" کی اسی کیفیت سے دوچار ہوچکا ہے، اور اس لئے بھی کہ ہمارے لئے اصل دلیل قرآن اور حدیث ہیں، جنہیں کبھی کوئی زوال نہیں آسکتا۔ بہرحال قرآن و حدیث دونوں کی رُو سے کسی بھی اسلامی ریاست کی پالیسی کی ترجیح اول ہی نہیں، اس کا عین مقصدِ وجود ہی یہ ہوتا ہے کہ عالمی سطح پر اللہ کے دینِ حق کا بول بالا کرنے کے اس مشن کی تکمیل کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا جائے جس کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو، نہ اس کے دین کی حقانیت پر، اور نہ رسول اللہ ﷺ پر یقین رکھتا ہو، نہ ان کے مشن اور مقصدِ بعثت پر، اس سے کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو اسلامی ریاست کے اس مقصدِ وجود کی

تکمیل تو کجا اس کی اس ترجیح اول کی تقویت تک کے لئے صرف کرے گا۔ اِلّا یہ کہ خود اپنے عقیدے اور نظریئے کے ساتھ اس کا تعلق "منافقانہ" ہو۔ اور وہ حقیقی اور باطنی طور پر مومن و مسلم ہو۔ بصورتِ دیگر اگر وہ واقعی اور حقیقی اعتبار سے کسی اور عقیدے اور نظریئے کا قائل ہو تو اس کا لازمی اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری، اور ارادی یا غیر ارادی طور پر اسلامی ریاست کے اس مقصدِ اعلیٰ کے خلاف کام کرے! اور واقعہ یہ ہے کہ کسی انسان کو اس پوزیشن میں لا کھڑا کرنا خود اس پر "ظلم" ہے۔ (چنانچہ فی الوقت پاکستان کے دستور میں یہ تضاد موجود ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے غیر مسلم ارکان سے بھی حلف لیا جاتا ہے کہ "میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اسلامی آئیڈیالوجی کو برقرار رکھوں جو پاکستان کے قیام کی بنیاد ہے!")

(۳) اسی اصول کے "عکس" (CONVERSE) یا منطقی فرع (COROLLORY) کی حیثیت سے، ایک نظریاتی ریاست ہونے کے ناطے اسلامی ریاست میں کسی کو اس کے اساسی نظریئے پر حملہ کرنے، اور اس کے برعکس عقائد و نظریات کے پرچار کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس کی تو اساس اور بنیاد ہی اس نظریئے پر قائم ہوتی ہے، اور اس نظریئے کے ضعف کا منطقی نتیجہ خود ریاست کا ضعف و اضمحلال ہے۔ بنابریں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو خود اپنے لوگوں میں اپنے عقائد و خیالات کی تبلیغ و تلقین، اور اپنی آئندہ نسلوں کی اپنے نظریات کے مطابق تعلیم و تربیت کا حق تو حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کو تبلیغ کی اجازت نہیں ہوتی۔

ان تین معاملات کے سوا، باقی جملہ بنیادی حقوقِ شہریت کے اعتبار سے اسلامی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔ یعنی:

(۱) اسلامی ریاست بلالحاظِ رنگ و نسل اور بلاامتیازِ مذہب و مسلک اپنے ہر شہری کی جان و مال، اور عزت و آبرو کی حفاظت کا "ذمہ" لیتی ہے۔

(۲) اسی طرح ہر شہری کو عقیدے، مذہبی عبادات، اور معاشرتی رسومات کی کامل آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔ اور جملہ عبادت گاہوں کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہے۔

(۳) شادی بیاہ' اور طلاق وغیرہ کے علاوہ قانونِ وراثت سمیت "شخصی قوانین" کے ضمن میں بھی کامل آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔

(۴) اور ان سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسلامی ریاست اپنے ہر شہری کی بنیادی معاشی ضروریات کی کفالت کا بھی "ذمہ" لیتی ہے' خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ (خاص اس موضوع پر مفصل گفتگو' ان شاء اللہ' نظام اسلامی کی معاشی اور اقتصادی ترجیحات کے ضمن میں ہوگی۔)

واضح رہے کہ یہاں "ذمہ" کا لفظ بار بار اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ "ذمی" کی اسلامی اصطلاح کی اصل حقیقت واضح ہو جائے کہ یہ ہرگز نہ کوئی گالی ہے' نہ کسی بھی درجہ میں تحقیر آمیز لفظ' جیسا کہ اسلام کے دشمنوں نے اسے بنا دیا ہے تاکہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو خود اپنے آپ' اپنے ماضی' اور اپنی دینی اصطلاحات سے بے گانہ ہی نہیں' متنفر بنا دیا جائے۔ اس لئے کہ شہریت کے ان چار بنیادی حقوق کے اعتبار سے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے اسلامی ریاست کا ہر شہری' خواہ مسلم ہو خواہ غیر مسلم' ریاست کا "ذمی" ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری" کی ایک روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے کسی انسان کے مسلمان قرار دیئے جانے کی شرائط و صفات کے تذکرہ کے بعد فرمایا ہے کہ: "فذلکَ المُسلمُ الّذی لہٗ ذمۃ اللہ و ذمۃُ رسولہٖ فلا تخفِرُوا اللّٰہَ فِی ذِمّتہٖ" یعنی "ایسا شخص وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے' پس اللہ کے اس ذمہ کی خلاف ورزی کر کے اس کی تحقیر کے مرتکب نہ بنو" تاہم شریعت اسلامی میں "ذِمی" کی اصطلاح اس کے غیر مسلم شہریوں کے لئے اس لئے مخصوص کر دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست اپنی متذکرہ بالا چار بنیادی ذمہ داریوں میں تو ان کو مسلمانوں کے ساتھ برابر کا شریک کرتی ہے۔ مزید برآں' تجارت' صنعت و حرفت' اور سرکاری محکموں میں ملازمت کے دروازے بھی ان کے لئے مساوی طور پر کھولتی ہے اور دنیاوی ترقی کے جملہ مواقع یکساں طور پر فراہم کرتی ہے' تاہم قانون سازی اور ریاست کے بلند ترین مقصد یعنی کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے تن من دھن لگا دینے کی ذمہ داری کا "بوجھ" ان پر نہیں ڈالتی۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ اسلامی ریاست کے ضمن میں ذمی ہی کی طرح "جزیہ" کی اصطلاح کو بھی گالی بنادیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بھی "جزا" سے ماخوذ ہے اور "بدلِ اشتراک" کی حیثیت سے بالکل ٹیکس کے ہم معنی ہے۔ اس لئے کہ ہر ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال، اور عزت و آبرو کی حفاظت (اور ایک فلاحی ریاست میں اس سے بھی بڑھ کر بنیادی معاشی ضروریات کی کفالت) کا جو ذمہ لیتی ہے اس کے لئے وسائل کی فراہمی کے لئے شہریوں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن ایک اسلامی ریاست میں مسلمانوں سے وصول کیا جانے والا سب سے بڑا "ٹیکس" زکوٰۃ ہے، جو عبادات میں شامل ہے، لہٰذا "جزیہ" کی اصطلاح صرف غیر مسلم شہریوں سے وصول کئے جانے والے ٹیکس کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ (اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عہد حاضر میں جملہ مسلمان ممالک میں بھی جہاں زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں بلکہ دنیا کے عام رواج کے مطابق مختلف قسم کے ٹیکسوں ہی کا نظام رائج ہے گویا مسلم اور غیر مسلم سب "جزیہ" ادا کر رہے ہیں!)

حاصلِ بحث یہ کہ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست میں وطنی قومیت کے نظریئے کو صرف انتظامی اور بالخصوص غیر ملکی سفر کے ضمن میں پاسپورٹ کے اجراء کی حد تک تو قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن ریاست کی اصل اساس "مسلم قومیت" پر قائم ہو گی جس میں مقننہ اور عدلیہ کی بلند ترین سطح پر غیر مسلموں کی شرکت اور شمولیت خارج از بحث ہے۔

اس مرحلے پر مختصر گفتگو اس موضوع پر بھی ہو جائے تو مناسب ہے کہ، اگرچہ جیسے کہ اس سلسلۂ مضامین کے بالکل آغاز میں عرض کیا گیا تھا، خالص اصولی اعتبار سے تو جدید اسلامی ریاست کے لئے پارلیمانی اور صدارتی طرزِ حکومت کو بالکل یکساں طور پر مباح کی حیثیت سے اختیار کیا جا سکتا ہے، تاہم عملی اعتبار سے صدارتی نظام زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ خلافت راشدہ کے نظام کے قریب تر ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں سربراہ ریاست اور سربراہ حکومت کی ثنویت سے پیدا ہونے والی کوئی پیچیدگی موجود نہیں ہوتی۔ پھر اس لئے بھی کہ اس میں ریاست کے تین اعضائے رئیسہ ممکنہ حد تک علیحدہ علیحدہ مشخص اور معین ہوتے ہیں (جبکہ پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ گڈمڈ ہو جاتی

ہیں!) اور سب سے بڑھ کر، اور آج کی بحث کے اعتبار سے اہم ترین، یہ کہ اس میں غیر مسلموں کی بھی شرکت اور شمولیت کا معاملہ واضح طور پر معین ہو جاتا ہے۔ یعنی جبکہ وہ مقننہ میں سرے سے شامل نہیں کئے جا سکتے، وہاں انتظامیہ اور عدلیہ کی صرف اعلیٰ ترین سطح کے سوا ان کی ہر سطح پر شمولیت ہو سکتی ہے۔ یعنی صدرِ مملکت یا "خلیفۃ المسلمین" کا عہدہ تو ظاہر ہے کہ صرف مسلمان کے لئے مختص ہو گا، اور صرف مسلمانوں ہی کے ووٹوں کی بنا پر وجود میں آئے گا، لیکن اس کے نیچے وزراء تک، جو صدارتی نظام میں مقننہ کے منتخب ارکان میں سے نہیں بلکہ صرف ذاتی قابلیت اور فنی مہارت کی بنا پر مقرر کئے جا سکتے ہیں غیر مسلموں میں سے لئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح صرف بلند ترین عدالت تو چونکہ مقننہ کے "اجتہاد" کے ضمن میں اس فیصلے کی مجاز ہو گی کہ یہ جزوی یا کلی طور پر قرآن و سنت کے حدود سے متجاوز ہے یا نہیں، لہٰذا اس کے جج تو لامحالہ صرف مسلمان ہی بن سکیں گے لیکن ماتحت عدالتیں چونکہ صرف مقننہ کے تدوین کردہ قوانین کے تحت فیصلے کرنے کی مجاز ہوں گی، لہٰذا ان میں غیر مسلموں کو بطور جج شریک کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

البتہ پاکستان کے معروضی حالات کے پیش نظر صدارتی نظام کے اختیار کرنے میں یہ قباحت واقعتاً موجود ہے کہ موجودہ وفاقی اکائیاں یعنی صوبے آبادی وغیرہ کے اعتبار سے بہت غیر متوازن ہیں اور اس کی بنا پر چھوٹے صوبوں کے لوگوں کو اندیشہ ہو سکتا ہے کہ صدارتی نظام میں صدر ہمیشہ کسی ایک ہی بڑے صوبے سے ہو اور اس طرح چھوٹے صوبے گویا مستقل طور پر "غلام" بن جائیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک آزاد اور خود مختار ملک میں اس قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنا ہرگز مشکل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ پاکستان کے موجودہ صوبوں کا تعین اور ان کی حد بندی انگریزوں نے اپنی انتظامی سہولتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر کی تھی۔ اور اب جبکہ پاکستان کے پورے دستوری اور سیاسی ڈھانچے کے ضمن میں ایک نئے "سوشل کنٹریکٹ" کی بات ہو رہی ہے ایسے نئے صوبوں کا قیام جن کی آبادی میں ایک حد تک برابری اور توازن پیدا ہو جائے نہایت آسان ہے۔ اور اگر کسی

صوبے کے باشندوں کو تاریخی اور ثقافتی اسباب کی بنا پر اپنے صوبے کا نام اتنا محبوب ہو کہ وہ اسے کسی صورت میں تبدیل نہ کرنا چاہیں تب بھی ہمارے سامنے یہ مثال موجود ہے کہ امریکہ میں دو دو ریاستیں ایک ہی نام کی حامل موجود ہیں جیسے نارتھ کیرولائنا اور ساؤتھ کیرولائنا' اور نارتھ ڈکوٹا اور ساؤتھ ڈکوٹا وغیرہ۔ اور اس ضمن میں آخری بات یہ کہ جہاں انسان کے اب تک کے عمرانی ارتقاء کی بلند ترین صورت ایک جانب صدارتی جمہوری نظام ہے اور دوسری جانب وفاقی نظام حکومت' وہاں روح عصر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وفاقی اکائیاں حجم میں چھوٹی ہوں اور انہیں زیادہ سے زیادہ داخلی خود مختاری دی جائے۔ چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور میں "ضلعی حکومتوں" کا جو تصور دیا گیا ہے وہ روحِ عصر کے عین مطابق ہے۔ (بشرطیکہ وہ اس پر دیانتداری اور جرأتمندی سے عمل کر سکے!)

متذکرہ بالا تمنی اور عمرانی ارتقاء کا ساتھ دینے کی بجائے ہم تا حال پارلیمانی نظامِ حکومت اور موجودہ صوبوں کو ان کے ناموں سمیت محض انگریز کی وراثت کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام کے حق میں کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ صرف یا تو ان ممالک میں رائج ہے جہاں ماضی میں انگریزوں کی عملداری تھی یا پھر ان میں جو انگریزوں ہی کی طرح کی روایت پرستی کے تحت سابقہ نظامِ بادشاہت کی علامتوں اور یادگاروں کو عجائب گھروں یا چڑیا گھروں کے مانند برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ رہے صوبے اور ان کی حدود اور نام' تو ان کے ضمن میں تو ہماری انگریزوں کی وراثت میں سرِمُو ترمیم یا تبدیلی سے گریز کی انتہاء کا مظہر یہ حد درجہ غیر معقول اور غیر منطقی رویہ ہے کہ ہم نے تا حال صوبہ سرحد کا نام بھی تبدیل نہیں کیا۔ حالانکہ "شمال مغربی سرحدی صوبہ" متحدہ ہندوستان میں تو کسی درجہ درست نام ہو سکتا تھا' پاکستان میں تو یہ نام نہایت نامعقول ہی نہیں حد درجہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو چاروں صوبے "سرحدی" ہیں۔ چنانچہ پنجاب شمال مشرقی سرحدی صوبہ ہے' تو سندھ اور بلوچستان علی الترتیب جنوب مشرقی سرحدی صوبے اور جنوب مغربی سرحدی صوبے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور منطق کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ باقی صوبوں کے نام بھی اسی طور سے رکھ دیئے

جائیں یا صوبۂ سرحد کو وہاں کے باشندوں کی خواہش کے مطابق پختونستان یا پختون خواہ کا نام دے دیا جائے۔ گویا "یا چناں کن یا چنیں!" ○○

قرآن کالج کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے

ایک اہم اطلاع

○ پاکستان کے ایک صنعتی ادارے اور ایک تجارتی ادارے نے قرآن کالج سے بی اے پاس کرنے والے طلبہ کو اس بنیاد پر کہ ان طلبہ نے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے' ملازمت میں ترجیح دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

○ مذکورہ صنعتی ادارے کی فیکٹری گدون امیزئی صوبہ سرحد میں اور ہیڈ آفس کراچی میں ہے جبکہ تجارتی ادارے کا ہیڈ آفس نیویارک' امریکہ میں اور برانچ آفس کراچی میں ہے۔

○ ان اداروں نے اضافی سہولت یہ فراہم کی ہے کہ وہ قرآن کالج کے فارغ التحصیل طلبہ کا انٹرویو لینے کے لئے لاہور میں خصوصی انتظام کریں گے۔

○ ملازمت کے خواہش مند تمام فارغ التحصیل طلباء کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی درخواست ۱۰ دسمبر ۹۳ء تک مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ناظم اعلیٰ جناب سراج الحق سید صاحب کو ارسال کر دیں۔ درخواست میں اپنا موجودہ پتہ اور رابطے کے لئے ٹیلی فون نمبر ضرور درج کریں تاکہ انٹرویو کی تاریخ سے انہیں مطلع کیا جا سکے۔

شمالی امریکہ میں تنظیم اسلامی کا لائحہ عمل

ٹورنٹو (کینیڈا) میں رفقاء تنظیم اسلامی کے ایک اجتماع سے امیر تنظیم کا ایک اہم خطاب

آج کی اس نشست میں پہلی بات جو مجھے عرض کرنی ہے یہ ہے کہ تنظیم اسلامی خواہ وہ شمالی امریکہ میں ہو یا دنیا کے کسی اور خطے میں' اس کی دو امتیازی خصوصیات (distinctive features) واضح طور پر ہمارے سامنے رہنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ یہ کوئی تعلیمی' سماجی اور تبلیغی تنظیم نہیں ہے' یہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے ایک انقلابی تنظیم کے قیام کی کوشش ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم ایسی تنظیم بنا چکے ہیں' لیکن اس کی طرف بحمد اللہ ہماری پیش قدمی ضرور جاری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہدف واضح رہنا چاہئے تاکہ اس کے تقاضے بھی ہمارے سامنے رہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی تنظیمی اساس بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف پر قائم ہے۔ یہ بھی ہماری تنظیم کی ایک امتیازی خصوصیت ہے جو ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہئے۔ اور وہ اس لئے کہ جس طرح کی آرگنائزیشنز کے ہم عادی ہیں چونکہ وہ بالعموم اس طرح کی نہیں ہوتیں لہٰذا طبیعت میں ایک رکاوٹ سی محسوس ہوتی ہے اور وقتاً فوقتاً یہ محسوس ہوتا ہے کہ بعض ایسے افراد کو بھی جو ایک عرصے سے تنظیم میں شامل ہیں شاید پوری طرح احساس نہیں ہے کہ اس طرح کی تنظیم کے تقاضے کیا ہوتے ہیں!

ایک اور بات جو بہت اہم ہے' دینی فرائض کے تصور سے متعلق ہے۔ یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ ہمارے دینی فرائض کے چار levels ہیں۔ ان میں سے اولین یہ ہے کہ ہم حقیقی ایمان حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرا یہ کہ حقیقی معنی میں اللہ کے بندے بنیں' ہمہ تن اور ہمہ وقت اس کی اطاعت کریں۔ تیسرا یہ کہ اس دعوت اور اس پیغام کو عام کریں' اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ اور چوتھا یہ کہ ہم اللہ کے دین کو ایک کامل نظامِ اجتماعی

یعنی Politico-Socio-Ecomomic System کی حیثیت سے عملاً قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ ہمارے فرائضِ دینی کے یہ چار levels ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے اپنے تقاضے ہیں۔ تنظیم اسلامی نے اگرچہ ان میں سے چوتھے کو یعنی غلبہ و اقامتِ دین کو اپنا اصل ہدف قرار دیا ہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ پہلے تین بھی اس میں لازمی طور پر شامل ہیں۔ حقیقی ایمان اگر میسر نہ ہو گا تو ہماری گاڑی آگے چلے گی ہی نہیں۔ یہ ایمان ہی ہے جو ہمیں اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے قوت اور motivation فراہم کرتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر ہم خود اللہ کے بندے نہیں ہیں اور ہم نے دین کو خود اپنے وجود پر نافذ نہیں کیا تو دوسروں کو کیا دعوت دیں گے؟ تاہم ان دونوں levels پر کسی اجتماعیت یا تنظیم کا ہونا ضروری نہیں۔ ایک شخص انفرادی طور پر بھی حصولِ ایمان کی سعی کر سکتا ہے۔ اسی طرح خود اللہ کا بندہ بننے کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے اور یہ انسان کا ایک ذاتی معاملہ ہے' دوسرا آدمی اس میں کوئی خاص مدد فراہم نہیں کر سکتا۔ تاہم اس سطح پر اگر ایمان والوں کی صحبت حاصل ہو جائے' انہی لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو جو یا تو خود صاحبِ ایمان ہوں یا وہ ایمان حاصل کرنے اور اللہ کی بندگی پر کاربند رہنے کی کوشش کر رہے ہوں تو "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" (سورۂ توبہ: ۱۱۹) کے حوالے سے یقیناً اس میں فائدہ ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں بھی ہماری تاریخ کے دوران میں جو نظام قائم ہوا وہ بھی بیعت کی بنیاد پر تھا۔ یعنی بیعتِ ارشاد جو اصلاً ذاتی اصلاح کے لئے کی جاتی ہے' اور اس میں جہاد کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ فرائض دینی کی تیسری سطح پر یعنی دعوت و تبلیغ دین کے لئے ادارے بنائے جا سکتے ہیں' انجمنیں قائم کی جا سکتی ہیں' اور اس طرح یہ فریضہ باحسن وجوہ ادا ہو سکتا ہے لیکن چوتھی سطح پر ایک "جماعت" کا ہونا از بس ضروری ہے۔ ایک مضبوط اور منظم جماعت کے بغیر یہ کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید میں اس کے لئے "حزب" کا لفظ آیا ہے۔ حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی اور حزب الشیطان یعنی شیطان کا گروہ۔ بہرحال جماعت یا حزب کے مفہوم میں سمع و طاعت (Listen and obey) کا پہلو شامل ہے جیسے فوج کا ڈسپلن ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اپنی اجتماعیت میں اسی طرح کا ڈسپلن پیدا کرنا ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہئے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو تو بیعت لینے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی' آپؐ اللہ کے رسول تھے اور ہر مسلمان پر آپؐ کی

اطاعت فرض تھی' لیکن اس کے باوجود آپؐ نے صحابہؓ سے بیعتِ سمع و طاعت لی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ بعد والوں کے لئے ایک اسوہ' ایک سنت قائم رہے۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جو دوسری تنظیمی صورتیں ہیں انہیں بھی میں حرام نہیں سمجھتا' وہ میرے نزدیک مباح ہیں' لیکن بہرحال تنظیم اسلامی کے لئے یہ طے ہو چکا ہے کہ اس کی بنیاد بیعت پر ہوگی اور اس مسئلہ پر میں کوئی compromise کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

میرے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ زمانۂ طالب علمی میں' میں اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک رہا ہوں۔ ۱۹۵۴ء میں میں نے ایم بی بی ایس کیا تھا اور جس دن میرا رزلٹ نکلا اسی دن میں نے جمعیت سے استعفاء دیا اور جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دے دی۔ ۱۹۵۷ء میں میں جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور یہ آپ کے علم میں ہے کہ اس کا اصل سبب کیا تھا۔ میرے نزدیک جماعت کے مقاصد بالکل درست ہیں اور مولانا مودودی مرحوم نے جو فکر دیا تھا وہ بھی اکثر و بیشتر درست ہے لیکن قیام پاکستان کے بعد انہوں نے انتخابی سیاست کے میدان میں جو چھلانگ لگائی یہ ان کی غلطی تھی' اگرچہ یہ غلطی بھی ان سے نیک نیتی کے ساتھ ہوئی تھی۔ لیکن بہرحال اس غلطی نے جماعت کی نوعیت کو بدل کر رکھ دیا۔ جماعت سے علیحدگی کے بعد خیال تھا کہ اس ایشو پر جو بزرگ لوگ جماعت سے الگ ہوئے تھے وہ ایک جماعت کی صورت میں جمع ہوں گے' ان میں مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن جیسی بڑی بڑی شخصیتیں تھیں' میری عمر اُس وقت صرف پچیس سال تھی' لہٰذا میرے لئے انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن جب ان حضرات نے اس سمت میں کوئی پیش قدمی نہ کی تو ۱۹۶۵ء میں میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اپنی ذمہ داری بہرطور پوری کرنی ہے' کیونکہ مجھے اپنی قبر میں جانا ہے اور آخرت میں مجھے اپنے محاسبہ کے لئے ذاتی طور پر پیش ہونا ہے۔ اگر یہ لوگ جمع نہیں ہو رہے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہہ کر بری نہیں ہو جاؤں گا کہ چونکہ ان لوگوں نے کام نہیں کیا تھا لہٰذا میں نے بھی کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ میں ۱۹۶۵ء میں لاہور شفٹ ہوا اور انفرادی طور پر اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ پہلے سات برس میں نے تن تنہا ایک فرد کی حیثیت سے کام کیا جبکہ نہ کوئی تنظیم تھی نہ ایسوسی ایشن۔ ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن قائم ہوئی' جس کا مقصد قرآن کا پڑھنا

پڑھانا' سیکھنا سکھانا اور اس کے علم کو پھیلانا ہے۔ یہ گویا تیسری سطح کی چیز ہے۔ پھر ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ ابتدا میں میں نے اس کی اساس بیعت پر نہیں رکھی تھی۔ اس میں میری حیثیت صرف کنوینر کی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں گے تو تین سال میں ہم اس کا نظام قائم کریں گے۔ مجھے معلوم تھا کہ امین احسن اصلاحی صاحب بیعت کے شدید مخالف ہیں لہٰذا اگر وہ تنظیم میں آگئے ہوتے تو ان کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے ان کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ ہوتی۔ لیکن جب ان لوگوں نے تنظیم میں شمولیت پسند نہیں کی تو میں نے اپنی صوابدید کے مطابق بیعت کا نظام اختیار کرلیا۔

باقی جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو یہاں مختلف ادوار میں صورتحال مختلف رہی ہے۔ ۷۹ء میں پہلی مرتبہ میں یہاں آیا تو میرا تاثر بہت گہرا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ یہاں بہت اچھے مواقع ہیں' یہاں بڑی تعداد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ ہیں جو دین کے لئے جذبہ رکھتے ہیں اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ پھر یہاں خوشحالی بھی ہے اور وسائل کی فراوانی بھی۔ چنانچہ مجھے خاصی امید ہوئی تھی کہ یہاں پر کافی کام ہو گا۔ لیکن مجھے جلد ہی احساس ہوا کہ اصل صورتحال میرے اندازے سے بہت کچھ مختلف ہے۔ ایک تو یہ کہ درحقیقت خوشحالی اس طرح کی نہیں ہے جس طرح سامنے نظر آتی ہے۔ حقیقی خوشحالی یا تو صرف ڈاکٹر حضرات کے ہاں ہے یا معدودے چند کاروباری لوگوں کے ہاں۔ باقی کا معاملہ "Hand to mouth" والا ہی ہے۔ پھر یہ کہ دینی و مذہبی جماعتوں اور اداروں کی طرف سے یہاں جو بھی محنت ہو رہی ہے' چاہے اس کے لئے "اقامت دین" کے الفاظ استعمال ہوتے ہوں یا اسلامی انقلاب کی بات ہوتی ہو' یہ سب اکثر و بیشتر Community Level پر اپنا تشخص برقرار رکھنے کی کوششیں ہیں۔ الا ماشاء اللہ' سب اسی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے یہاں کے ساتھیوں سے کہا تھا کہ اگر آپ سے تنظیم کے تقاضے پورے نہیں ہوتے تو اس کی بساط لپیٹ دیں اور صرف انجمن کی سطح پر "Society of the Servants of the Quran" کے طور پر کام کریں۔ لیکن لوگوں نے یہ بات پسند نہیں کی' خاص طور پر شکاگو کے بڑے گروپ نے اس سے اختلاف کیا۔ وہ سمجھے کہ شاید میں صرف اظہار ناراضگی کر رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے از سر نو کوشش کرنے کا

وعدہ کیا' لیکن اصل معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔ چنانچہ پھر میں نے امریکہ میں اقامت دین کے امکانات اور اس کے لئے ممکنہ لائحہ عمل کا ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے صاف الفاظ میں یہ واضح کیا کہ اس کام کے لئے جب تک لوکل قیادت نہیں ابھرے گی یہاں انقلابی تحریک چلنا بالفعل ممکن نہیں ہے۔ موجودہ نوجوان نسل کے بعض افراد میں اس کام کی اہلیت اور صلاحیت دکھائی دیتی ہے کہ وہ مستقبل میں یہ انقلابی کام کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر فردوسی صاحب نے مجھے ایک نو مسلم امریکی دانشور کی تقریر پر مشتمل ایک کیسٹ بھی دی تھی اور مجھے حیرت ہوئی کہ جو میری findings تھیں تقریباً وہی ان صاحب کی بھی تھیں کہ مسلمانوں کی جو پہلی جنریشن یہاں آئی تھی ان میں وہ جذبہ موجود نہیں ہے' البتہ جو نسل یہاں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی ان میں مجھے کافی امید نظر آتی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہاں مسلمانوں کا survial بہت قیمتی ہے اور اس کے لئے کمیونٹی آرگنائزیشن کے level پر کام ہوتے رہنا چاہئے۔ تاہم اقامتِ دین کی انقلابی جدوجہد کے اعتبار سے نئی نوجوان نسل کے motivated افراد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک ایک فرد ہمارے ہاں کے سینکڑوں افراد سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس اعتبار سے ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب یہاں مقامی قیادت تیار ہو کر سامنے آئے گی۔ اسی وقت یہاں کی اصل انقلابی تحریک شروع ہوگی۔ اُس وقت تک ہمیں سمجھنا ہوگا کہ ہم ایک انقلابی فکر کو پھیلا رہے ہیں' لیکن ساتھ ہی آپ کو اپنے فرائض دینی کا انقلابی حصہ بھی عملاً نظر انداز نہیں کرنا' بلکہ اس کے لئے پاکستان میں کام کرنا ہوگا۔ اس کے لئے اولاً ہر ساتھی اپنی آمدنی کا کم از کم پانچ فی صد ضرور خرچ کرے' جس میں سے ڈھائی فی صد یہاں خرچ کیا جائے اور ڈھائی فی صد پاکستان میں۔ مزید یہ کہ ہر رفیق کوشش کرے کہ وہ ہر سال کچھ وقت فارغ کر کے پاکستان جائے' تربیت گاہ میں شرکت کرے اور وہاں کی تحریک میں اپنا وقت لگائے اور کام کرے تاکہ اس سے وہاں کے کام کو تقویت حاصل ہو۔ اس پر بعض رفقاء کی جانب سے مخالفانہ ردعمل سامنے آیا اور تنظیمی اعتبار سے کافی شکست و ریخت کا معاملہ ہوا اور یہاں تک کہا گیا کہ اصل میں بیعت کا نظام ہی ٹھیک نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا گیا کہ اعانت کا مقررہ نصاب زیادہ ہے اور ہمارے حالات اس کے متقاضی نہیں ہیں کہ پانچ فی صد ادا کیا جائے۔ اس سے واقعہ یہ ہے کہ مجھے بہت صدمہ ہوا۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ بہرحال میں نے یہ

فیصلہ کیا کہ آپ کی options یہ ہیں اور آپ یہاں پر جمہوری طرز کی کوئی تنظیم بنانا چاہتے ہیں تو بنالیں اور اس کے لئے اگر آپ TINA کا نام برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو وہ بھی لے لیں۔ البتہ جن ساتھیوں کا بیعت کے نظام پر انشراح رہا ان کا میں نے FOTIP کے نام پر حلقہ بنادیا۔

اس سال جنوری میں میرا یہاں آنا ہوا تو مجھے یہاں بہت سے surprises ملے اور اللہ کی خصوصی مشیت کے مظاہر سامنے آئے۔ چنانچہ اولاً تو میرا یہاں آنا ہی بالکل غیر متوقع طور پر اور بالکل چٹ منگنی پٹ بیاہ کے انداز میں ہوا تھا۔ پھر یہ کہ انگریزی میں بھی میری زبان خلافِ معمول پہلے ہی دن کھل گئی اور اس میں میں اپنے ما فی الضمیر کا اظہار اطمینان بخش طور سے کر پایا۔ تیسرے یہ کہ نیویارک' ہوسٹن اور بعض دوسری جگہوں پر جو response ملا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں پر مواد کافی ہے اور نئی نسل بھی کچھ ابھر کر سامنے آرہی ہے' خاص طور پر نوجوانوں میں بڑا جذبہ موجود ہے' لیکن بدقسمتی یہ کہ Sense of Direction مہیا نہیں ہے۔ یعنی یہ شعور موجود نہیں ہے کہ کیا کریں اور کیسے کریں! چنانچہ اندیشہ ہے کہ وہ کہیں غلط رخ پر نہ پڑ جائیں۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو وہ Counter-productive ہوگا' نقصان دہ ہوگا۔ تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے از سرِنو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے' اسی لئے میں یہاں دوبارہ آیا ہوں۔ یہ سفر میری زندگی کا طویل ترین سفر ہے اور اس میں مجھے پورے سوا دو ماہ ہو جائیں گے۔ اس کے دوران میں میں نے جو بیس گھنٹے کے پروگرام ریکارڈ کروائے ہیں ان کے بارے میں مجھے یہ اطمینان ہے کہ ان میں ہمارا انقلابی فکر بڑی عمدگی کے ساتھ سامنے آگیا ہے۔ البتہ میرا جو ارادہ تھا کہ میں منتخب نصاب کے دروس بھی (انگریزی میں) ریکارڈ کروادوں تو وہ نہیں ہو پایا ہے۔ یہ بھی بہرحال اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہوا کہ پہلے میں بیمار ہو گیا اور اس کے بعد بھی بیماری کے کچھ اثرات ایسے تھے کہ لاس اینجلس کی تربیت گاہ میں بھی اس پر کام شروع نہیں کرسکا۔ چنانچہ وہ ابھی میرے ذمے قرض ہے۔ اس مرحلے پر آئندہ پروگرام کے ضمن میں اس بات کا میں اضافہ کر رہا ہوں کہ ہوسٹن سے ڈاکٹر نثار صاحب نے کہا ہے کہ آئندہ سال وہ اس کا انتظام کریں گے اور اصرار کیا ہے کہ منتخب نصاب کا انگریزی زبان میں درس لازماً ریکارڈ ہونا چاہئے!

پھر یہ کہ ہمارے پروگرام میں تین حضرات بگ سپرنگ سے شامل ہوئے ہیں اور میں ان سے خاص طور پر متاثر ہوا ہوں کہ وہ پانچ سو میل کا سفر طے کر کے صرف اس لئے وہاں پہنچے کہ ان کے ذہن میں میرے نظریات و خیالات اور لائحہ عمل اور طریق کار کے بارے میں جو چند اشکالات ہیں ان کے بارے میں تشفی حاصل کریں۔ میرے نزدیک یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ یہ تینوں حضرات ڈاکٹرز ہیں اور یہ وہی طبقہ ہے جنہیں فارغ البال کہا جا سکتا ہے۔ یہ واقعتاً ایک بڑے جذبے کی بات ہے کہ کوئی شخص محض اس لئے اتنا طویل سفر کرے کہ اس کے اشکالات دور ہو سکیں۔ انہوں نے "اِسنا کنونشن" کے پروگراموں میں میری تقریریں سنی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ آئے اور انہوں نے ڈیڑھ گھنٹہ کا ایک پروگرام بھی ریکارڈ کیا جس میں اپنے سوالات سامنے رکھے اور ان کے جواب حاصل کئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تین تو خود حاضر ہو گئے ہیں اور ہمارے ہاں اور بہت سے لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور آپ کے فکر کے بارے میں اسی طرز پر سوچ رہے ہیں' یہ سب کچھ ہم ان لوگوں کو بھی سنائیں گے' اسی لئے ہم اسے ریکارڈ بھی کر رہے ہیں۔ اپنے اشکالات کے حل کے بعد تینوں حضرات نے اسی وقت بیعت کی۔ ان کی طرف سے اب یہ پیشکش ہے کہ اگلے سال یہ پروگرام ان کے علاقے میں رکھا جائے تو وہ اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری برداشت کریں گے۔ میرے نزدیک اگر ہمیں انگریزی میں منتخب نصاب کا پروگرام کرنا ہے اور اس کی اہمیت کا اگر آپ سب حضرات کو بھی بخوبی اندازہ ہو تو اس کے لئے ہمارا ایک ماہ کا اقامتی پروگرام ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ پروگرام ایک سال پہلے سے طے ہو جائے تو ہمارے بہت سے ساتھیوں کے لئے بڑی آسانی ہو جائے گی کہ وہ پروگرام بنا کر اپنی چھٹیوں وغیرہ کا انتظام کر سکیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ ہم یونیورسٹی ٹاؤن میں اس پروگرام کے لئے کوئی ہال یا آڈیٹوریم حاصل کر لیں گے اور وہاں ہاسٹل میں رہائش کی سہولت بھی بآسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ میزبانی کے فرائض وہ اپنے ذمہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ اس طرح اس اقامتی پروگرام میں شرکت کے لئے آنے والوں کو صرف آمدورفت کا کرایہ برداشت کرنا ہوگا۔ میری آمدورفت کے اخراجات کی ذمہ داری بھی یہ حضرات برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم پچیس تیس حضرات کا ایک گروپ اس میں شرکت کرے۔ ہم دن میں کم از کم چار گھنٹے کے پروگرام رکھیں جو مختلف اوقات میں منقسم

ہوں۔ ایک درس فجر کے بعد ہو' ایک گیارہ بارہ بجے ہو جائے' ایک ظہر یا عصر کے بعد ہو جائے' اور ایک مغرب کے بعد ہو جائے۔ اس طرح میں کوشش کروں گا کہ ۱۲۰ گھنٹے میں پورے منتخب نصاب کا انگریزی میں درس مکمل ہو جائے۔ بہرحال یہ کرنے کا ایک کام ہے جس کے لئے میں ذہناً تیار ہوں۔

اگرچہ انسان کو اپنی عمر اور زندگی کا تو کچھ پتا نہیں ہوتا' بلکہ دین کی تعلیم ہی یہ ہے کہ "کُن فِی الدُّنیَا کَاَنَّکَ غَرِیبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیلٍ" یعنی تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی اجنبی ہو یا راہ چلتا مسافر۔ گویا جیسے کہ ابھی یہاں سے چلے جانا ہے اور آدمی اس کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مزید فرمایا کرتے تھے کہ: "اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَاِذَا اَمْسَیتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ" یعنی جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو اور جب شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو۔ تمہیں صبح ہو جائے تو اس بات کا یقین نہ رکھنا کہ تم پر رات بھی آئے گی اور اگر رات آ جائے تو صبح کا یقین نہ رکھنا کہ وہ بھی تم پر طلوع ہو گی۔ تو ایک اعتبار سے آدمی کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے' البتہ دین کی دوسری تعلیم یہ بھی ہے کہ جب تک ہم دنیا میں ہیں جدوجہد اور کوشش میں مصروف رہیں۔ جیسے کہ صحابہ کرامؓ کہا کرتے تھے: "نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا محمَّدًا علَی الجِهادِ مابقینا اَبَدا" اس میں "مابقینا" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں' یعنی جب تک ہم باقی ہیں' برقرار ہیں' یہاں موجود ہیں۔ تو جب تک ہم یہاں ہیں ہمارا بہرحال ایک ایک لمحے کا حساب ہو گا۔ اس اعتبار سے ہمیں دنیا میں آخری وقت تک عملی جدوجہد میں ایسے منہمک رہنا چاہئے جیسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور یہ ہمیشہ یہاں رہنے والی بات دین کے اعتبار سے ہو' دنیا کے اعتبار سے نہ ہو۔ دین کی خاطر جدوجہد میں ہماری involvement اور determination اس طرح کی ہو کہ گویا ہمیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ اس اعتبار سے اس کام میں جو حصہ بھی مجھے ادا کرنا ہے میں اس کے لئے تیار ہوں۔

میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں کہ میں دو باتوں پر تو ہرگز کوئی compromise نہیں کر سکتا۔ ایک یہ کہ مجھے سماجی قسم کی تنظیم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جو حضرات اپنی مساعی کو اس

حد تک محدود رکھنا چاہیں وہ یہاں کی دوسری ایسوسی ایشنز سے منسلک ہو سکتے ہیں۔ تنظیم اسلامی بہرحال انقلابی جماعت ہوگی جسے ہم اپنے مقررہ ہدف کے لئے develop کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بیعت کے نظام پر بھی میں کسی compromise کے لئے تیار نہیں ہوں۔ البتہ میں نے بعض دوسری رعایتیں دے دی ہیں مثلاً یہ کہ اعانت پانچ فی صد کے بجائے تین فی صد ادا کر دی جائے' اور اسی طرح پاکستان میں آکر کام کرنا اور وہاں تربیت گاہیں اٹنڈ کرنا بھی لازم نہیں ہوگا' البتہ اس کے لئے ترغیب و تشویق برقرار رہے گی۔ تربیت گاہوں کا انتظام ہم یہیں کر لیں گے۔ جیسے اس دفعہ ڈاکٹر عبدالسمیع آئے اور یہ کام اورنج کاؤنٹی میں ہوا اسی طرح آئندہ کوئی اور صاحب یا دو حضرات آسکتے ہیں اور تربیت کا انتظام یہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ وقت نکال کر وہاں آئیں گے تو دہرا فائدہ ہوگا۔ آپ کو وہاں کی تنظیم کے قائدوں اور کارکنوں اور وہاں کے حالات سے براہ راست تعارف حاصل ہوگا۔

مستقبل کے ضمن میں میں نے اپنی جو آراء بیان کی ہیں ان میں سے اہم ترین یہ ہے کہ دین کا غلبہ قیامت سے قبل ہو کر رہے گا اور اگرچہ اس سے پہلے امتِ مسلمہ کے حالات اور زیادہ خرابی اور بگاڑ کا شکار ہوں گے لیکن اس کے بعد بہرحال دین کا غلبہ ہوگا' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کب ہوگا؟ یہ ہم نہیں جانتے' لیکن اندازہ یہ ہے کہ احادیث میں جن واقعات کے پے در پے وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے وہ واقعات اب تیزی کے ساتھ پیش آنے والے ہیں۔ یہ ایک "fast moving dramma" ہوگا اور اب یہ زیادہ دور کی بات نہیں ہے۔ مجھے بعض حضرات کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا اختتام ہی غالباً اس دنیا کا اختتام ہے۔

مزید برآں' جہاں تک اسلام کے عالمی غلبے کے آغاز کا تعلق ہے تو وہ کہیں سے بھی ہو سکتا ہے' کسی خالصتاً صد فیصد غیر مسلم ملک سے بھی ہو سکتا ہے' کسی ایسے ملک سے بھی ہو سکتا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور ایسے ملک سے بھی جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ ہر بندۂ مومن جہاں رہتا ہے اس کی کام کرنے کی اصل ذمہ داری وہیں ہے۔ البتہ میرے پیش نظر کچھ شواہد ہیں جن میں امت کی گزشتہ چار سو برس کی تاریخ اور حالات کے علاوہ احادیث کے اشارات بھی شامل ہیں۔ وہ احادیث اگرچہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی تو نہیں ہیں' سنن ابن ماجہ

وغیرہ کی ہیں' لیکن بہرحال ان کے موضوع ہونے کا شک نہیں کیا جا سکتا' گویا یہ ضعیف تو ہو سکتی ہیں لیکن موضوع نہیں ہیں۔ ان شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلبۂ اسلام کا آغاز پاکستان اور افغانستان کے علاقے سے ہو گا اور وہیں سے بات آگے بڑھے گی۔ واللہ اعلم۔ بہرحال امریکہ میں تو ہمارا اصل زور ابھی اسی پر ہو گا کہ ہمیں ایک فکر کو یہاں پھیلانا ہے' یہاں کسی عوامی اور مزاحمتی تحریک کا تو ابھی دور دور تک بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کا تو ایک لمبا process ہے جس کے لئے ہمیں ذہناً تیار رہنا ہے اور اپنا ہدف وہی رکھنا ہے' اسی انداز میں چلنا ہے اور فکر وہی دینا ہے۔ ہمیں یہاں جو فکر پھیلانا ہے اس کے حسب ذیل تین نکات اساسی اہمیت کے حامل ہیں:

(۱) اسلام دین ہے' صرف مذہب نہیں ہے۔ اس ضمن میں میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں بھی کچھ روایتی اور پیشہ ور قسم کے علماء نے آکر اپنے قدم جمالئے ہیں جس کے نتیجے میں یہاں بھی اسلام کا محدود رسم پرستانہ تصور (Ritualistic Concept) ہی فروغ پاتا نظر آرہا ہے۔ اس اعتبار سے زیادہ ذمہ داری ان حضرات کی ہے جن کو یہ روشنی حاصل ہو چکی ہے کہ اسلام دین ہے' صرف مذہب نہیں ہے' کہ وہ اس محدود مذہبی تصور کے مقابلے میں اسلام کا صحیح اور جامع تصور پیش کریں۔

(۲) اسلام کے صحیح تصور کے ساتھ ساتھ فرائض دینی کا جامع تصور بھی عام کیا جائے' یعنی اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنا فرض ہے اور اس کے لئے التزامِ جماعت لازم ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ایسے حلقے کے لوگوں کے ذہنوں میں بھی مدہم پڑتی جارہی ہیں جن کے ہاں یہ فکر بہت تازہ تھا۔ میری مراد جماعت اسلامی کا حلقہ ہے۔

(۳) جہاں تک methodology کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کافی بڑا خلاء پایا جاتا ہے' چنانچہ ہمیں اسے واضح کرنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہے کہ اس نے ہمیں روشنی دی ہے اور انشراح عطا کیا ہے۔ چنانچہ جس سے بھی بات ہوتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔ اب اگر کسی کے پاس روشنی ہے تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کو دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کو راستہ دکھائے۔ اس اعتبار سے ہمیں یہ فکر یہاں پھیلانا ہے۔ اور اگر یہ فکر یہاں پھیلتا ہے تو یہ بہت سے دوسرے مسلمان ممالک تک بھی پہنچ جائے

گا۔ اس لئے کہ یہاں ہر ملک کے لوگ موجود ہیں اور اگر وہ ذہنی اعتبار سے ہمارے رابطے میں آتے ہیں تو ان کے ذریعے بات دور دراز ممالک تک پہنچ جائے گی۔

پاکستان میں حالات البتہ مختلف ہیں۔ اس سرزمین میں میری اٹھائیس برس کی محنت دفن ہے۔ وہاں میں نے اپنے آپ کو کھپایا ہے۔ اللہ نے مجھے جو بھی صلاحیتیں دی ہیں وہ میں نے اسی کام میں لگائی ہیں۔ اپنی زندگی کے تئیس برس تو وہ ہیں جن میں میں نے یہ کام ہمہ وقت کیا ہے۔ پہلے پانچ چھ برس وہ تھے جن میں میں نے پریکٹس بھی کی تھی' لیکن ۱۹۷۰ء میں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب مجھے ہمہ وقت یہی کام کرنا ہے' اس وقت سے اب تک تئیس برس ہو چکے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہمارا وہاں پر ایک تنظیمی ڈھانچہ استوار ہو چکا ہے' ہمارے قابل اعتماد ورکرز کی ایک اچھی بھلی تعداد موجود ہے' درس قرآن کی صلاحیت رکھنے والے کم از کم پچاس اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تیار ہو چکے ہیں' پھر ناظمین ہیں اور ہماری تنظیم کا "infra-structure" وہاں بحمد اللہ مستحکم ہو چکا ہے۔ میں اس سال کے دوران اب تک کے نو مہینوں میں سے ساڑھے چار مہینے وہاں سے غیر حاضر رہا ہوں اور مجھے اطمینان ہوا ہے کہ میرے بعد کسی اختلال یا بد نظمی کا معاملہ نہیں ہوا۔ وہاں پر ہمارا تنظیمی کام بڑے ہی ہموار طریقے سے ہو رہا ہے۔

پاکستان کے سیاسی حالات میں اب جو نیا موڑ آیا ہے اس کے بارے میں میری دو پیشینگوئیاں تھیں جو دونوں کی دونوں پوری ہو گئی ہیں۔ ایک یہ کہ میں نے کہا تھا کہ اب پاکستان کی سیاست مروجہ سیاسی اصولوں کے اعتبار سے پٹڑی پر چڑھ جائے گی جیسا کہ دو پہیوں پر گاڑی چلتی ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے سیاسی گروپ تھے' جن کی اصل عوامی پوزیشن تو حقیقت میں کچھ بھی نہیں تھی' لیکن ضیاء الحق صاحب کے دور میں ان کی پوزیشن inflate ہو گئی تھی تو اب ان کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی۔ اور مغربی جمہوریت کے مروجہ معیارات کے مطابق دو بڑی جماعتیں آگے آئیں گی۔ اس اعتبار سے تو پاکستان کے سیاسی حالات پہلے سے بہتر ہو رہے ہیں۔ لیکن دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو حالات نے ایک بڑا ہی منفی رخ اختیار کیا ہے۔ اور یہ بھی میری پیشینگوئی تھی کہ اب پاکستان میں کھلم کھلا سیکولر نظام کو فروغ حاصل ہو گا اور مذہبی جماعتوں کی حیثیت بہت کم رہ جائے گی۔ یہ دونوں

باتیں درست ثابت ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے وہاں کے رفقاء بہت زیادہ excited تھے کہ آپ فوراً واپس پاکستان پہنچیں' لیکن میں نے کہا کہ اس وقت بہت سے لوگوں کے دل زخمی ہیں اور اس وقت کی صورت حال کو ہم اگر زیادہ overplay کرتے ہیں تو یہ ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات ہوگی۔ ہمیں ان لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ آپ اسلام کی شکست نہ بننے دیں' بلکہ تسلیم کرلیں کہ یہ ان کے طریق کار کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ یہ ملک اسلام کے لئے بنا ہے اور' ان شاءاللہ' اسلام ہی یہاں آئے گا۔ البتہ ہمیں اپنے طریق کار پر از سر نو غور کرنا چاہئے اور صحیح طریق کار کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ تو وہاں اب اس موضوع پر ہمیں کام کرنا ہے۔ یہ مرحلہ ایسا ہے کہ "Strike when the iron is hot" والا معاملہ ہے اور ہمیں اس سلسلے میں بہت زیادہ محنت کرنی ہے۔ اس کے لئے الحمدللہ ہم نے تحریک خلافت کو عوامی سطح پر اٹھانے کا پروگرام پہلے سے ہی شروع کر دیا ہے اور اس سلسلے میں اللہ نے ہمیں میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب جیسی فعال اور متحرک شخصیت بھی عطا کردی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں "عوامی سطح" سے میری مراد "عوامی مزاحمت" نہیں' بلکہ ابھی یہ تحریک "عوامی رابطے" کے مرحلہ میں ہے۔

اس تمام پس منظر میں اب ہم یہاں کے نظام کی بات کرتے ہیں:۔

اولاً۔ یہاں آل امریکہ نظم قائم ہوگیا ہے اور اس کے امیر عطاء الرحمٰن صاحب ہیں۔ یہ گویا یہاں میرے ذاتی نمائندہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کا میرے ساتھ جو بیعت سمع وطاعت کا رشتہ ہے اس پہلو سے یہ یہاں پر میرے نائب کی حیثیت سے ہیں۔ ان سے آپ کو اگر کوئی شکایت ہو تو مجھ سے رجوع کریں۔ ورنہ آپ کو انہی کی اطاعت کرنا ہے۔ نظام العمل کی رو سے یہ ہمارا ایک حلقہ ہے۔ (ہمارے ہر ساتھی کو نظام العمل پڑھ لینا چاہئے' تاکہ اسے ہمارے تنظیمی خطوط سے واقفیت حاصل ہوجائے) پاکستان میں تو حلقے کی ہمہ وقت ذمہ داری جس شخص کو سونپی جاتی ہے اسے ہم امیر نہیں' ناظم کہتے ہیں۔ کیونکہ "ہمہ وقت" ہونے کے باعث انہیں تنظیم کی جانب سے کچھ نہ کچھ مشاہرہ یا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے طے کیا ہے کہ جس شخص کی کفالت تنظیم کے ذمہ ہو اس کو ہم امیر کا عہدہ نہیں دیتے۔ اس میں ہم نے خاص طور پر جماعت اسلامی کے تجربے کی بنا پر احتیاط برتی ہے کہ امیر کا مقام ایسا ہے کہ اس کے ساتھ

تنخواہ وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ہونا چاہئے۔ امیر کو کچھ سہولتیں تو دی جاسکتی ہیں' مثلاً کسی کو رہائش یا سواری کی سہولت مہیا ہوجائے' لیکن امیر کے لفظ کے ساتھ تنخواہ کا معاملہ ہرگز مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ معاملہ ہم نے ناظمین کے ساتھ رکھا ہوا ہے' اس لئے انہیں ہم امراء نہیں کہتے۔ یہاں پر چونکہ ہمارے پاس کوئی ہمہ وقت آدمی نہیں ہے اس لئے ہم نے عطاء الرحمٰن صاحب کے لئے امیر ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تاہم صرف اس ایک فرق کے علاوہ' نظام العمل کے اعتبار سے امریکہ کی تنظیم ایک حلقہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے تحت مقامی تنظیمیں' اسرے اور منفرد رفقاء کا معاملہ بالکل نظام العمل کے مطابق ہوگا۔ اس کی رجسٹریشن تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کے نام سے ہوگی کیونکہ یہاں کے لوکل قوانین اور قواعد و ضوابط کی ضروریات کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ باقی اس کے تحت "by-laws" ایسے بنالئے جائیں گے جو نظام العمل کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔

امریکہ کے مختلف شہروں میں ہماری تنظیمیں قائم ہوچکی ہیں۔ نیویارک تنظیم کی امارت میں نے محمد اسرار خان صاحب کے حوالے کی ہے۔ شکاگو میں بھی تنظیم بن چکی ہے' وہاں کی امارت میں نے نصیر صاحب کے حوالے کی ہے۔ ڈیٹرائٹ تنظیم کی امارت ڈاکٹر رفیع اللہ انصاری صاحب کے سپرد کی گئی ہے۔ وہ اس مرتبہ یہاں نہیں آسکے' انہوں نے مجھ سے اجازت لے لی تھی۔ ٹورنٹو میں بھی تنظیم کے لئے پورا مواد موجود ہے۔ یہاں اچھی بھلی ٹیم ہے اور اللہ کے فضل سے ان کی آپس میں بہت اچھی ہم آہنگی ہے۔ اسی لئے یہاں پر یہ آل امریکہ اجتماع کا پروگرام بڑی عمدگی کے ساتھ ہوگیا ہے۔ کل شام کو ان کا ایک اجتماع لازماً ہونا چاہئے' جس کے لئے جگہ کا معاملہ یہ خود طے کرلیں' تاکہ میں یہاں کی تنظیم کی امارت اور اس کے بقیہ عہدوں کے بارے میں طے کرسکوں۔ میں نے یہاں کے کچھ تجربات کی وجہ سے طے کیا ہے کہ جو بھی امیر بنایا جائے گا' چاہے وہ آل امریکہ ہو یا کسی مقامی تنظیم کا ہو' وہ دو سال کے لئے ہوگا۔ اس کے بعد اس کی کارکردگی کو سامنے رکھ کر دوبارہ جائزہ لیا جائے گا اور کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس طرح لوگوں کے مشورے بھی سامنے آئیں گے۔ مقامی امارتوں کا فیصلہ امیر حلقہ بھی کرسکیں گے۔ یہ چیز پاکستان میں نہیں ہے' لیکن یہاں ہوگی۔ (دوسرے روز ٹورنٹو کے رفقاء کے ایک خصوصی اجتماع میں ہر رفیق سے علیحدہ علیحدہ مشورہ لینے کے بعد جناب انوار

الحق قریشی کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر کر دیا گیا۔)

ثانیاً۔ مالیات کے بارے میں میں عرض کر چکا ہوں کہ یہاں کے لئے اعانت میں تخفیف کر دی گئی ہے اور ہر رفیق اپنی آمدنی کا تین فیصد تنظیم کے بیت المال میں جمع کرائے گا۔ مقامی تنظیم کا بیت المال بھی ہو گا' لیکن اسرے میں نہیں ہو گا۔ دونوں ایک تہائی کی حد تک مقامی طور پر خرچ کر سکیں گے۔ اس میں اصل خرچ کتابوں اور آڈیو/ویڈیو کیسٹس کی لائبریریاں وسیع پیمانے پر قائم کرنے پر ہونا چاہئے۔ ہماری کتب اور کیسٹس زیادہ سے زیادہ سینٹرز میں فراہم کی جائیں تاکہ ہمارا فکر عام ہو اور جو لوگ اسے سمجھنا چاہتے ہوں انہیں سمجھنے کے مواقع مہیا ہوں۔ باقی یہاں پر اگر دعوتوں اور پکنک وغیرہ کے پروگرام رکھے جائیں تو ان پر تنظیم کے بیت المال کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہونا چاہئے۔ ان میں تو جو صاحب بھی میزبان ہوں انہیں اخراجات برداشت کرنے چاہئیں۔ اور ضروری نہیں ہے کہ ان پروگراموں میں بڑے اعلیٰ کھانے کھلائے جائیں۔ چنوں کے ساتھ بھی چائے پی جا سکتی ہے اور دال کے ساتھ بھی روٹی کھائی جا سکتی ہے۔ ان تمام چیزوں میں ہمیں سادگی کو اپنانا چاہئے جس کی ہمیں صرف تلقین ہی نہیں کی گئی بلکہ حکم فرمایا گیا ہے۔ دستر خوان پر بیک وقت دو سالن ہونا رسول اللہ ﷺ کو سخت ناپسند تھا۔ بلکہ اگر روٹی گھی والی ہو تو اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کے ساتھ سالن کا استعمال اسراف ہو گا۔ ہم لوگوں نے کھانے پینے کے ضمن میں زیادہ اسراف کا معاملہ کیا ہوا ہے۔ اس میں ہمیں چاہئے کہ بہت سادگی اختیار کریں۔ بعض ممالک میں تو کھانا بے دریغ ضائع کیا جاتا ہے' خاص طور سے عرب ممالک میں تو میں دیکھ کر لرز جاتا ہوں جس طرح وہ کھانے کی بے حرمتی کرتے ہیں اور چاولوں کے پورے پورے طباق اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پر مجھے ان پر کسی بڑی پکڑ کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو زمین پر گرا ہوا لقمہ بھی اٹھا کر صاف کر کے کھا لیتے تھے اور اسی کی ہمیں تلقین کی گئی ہے۔ تو اس حوالے سے ہمیں ذرا اپنی عادات کو بھی تبدیل کرنا چاہئے۔ بہرحال دعوتی پروگراموں میں جو خرچ ہو وہ اپنی ذاتی جیب سے ہو۔

مقامی طور پر ایک تہائی خرچ کرنے کے بعد باقی دو تہائی کے بارے میں آپ یہ سمجھئے کہ یہ مرکز کو گیا ہے' کیونکہ آل امریکہ تنظیم مرکز ہی کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس میں سے کتنا وہاں خرچ

ہوتا ہے اور کتنا مرکز چلا جاتا ہے اس میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے تو گویا پورا دو تہائی مرکز ہی کو دیا ہے اور مرکز ہی کی ایک شاخ یہاں امریکہ کے مرکزی نظم کی صورت میں موجود ہے۔ تو اس کو ہم آپس میں ایڈجسٹ کرلیں گے۔ مقامی تنظیموں اور اسروں کے حسابات کا آڈٹ یہاں کے نظم کے تحت ہوگا' جبکہ خود ان کا آڈٹ مرکز کے تحت ہوگا۔ اس کے لئے پاکستان سے کوئی صاحب آئیں یا سالانہ اجتماع کے موقع پر یہ اپنے حسابات کے رجسٹر وہاں لے کر جائیں اور انہیں آڈٹ کروائیں۔

ثالثاً۔ ہر رفیق پہلی فرصت میں تنظیم کے پانچ چھ بنیادی کتابچوں کا مطالعہ اپنے اوپر لازم سمجھے۔ اور یہ جو دس ویڈیو کیسٹس کا سیٹ شکاگو میں تیار ہو رہا ہے اسے رفقاءِ تنظیم اجتماعی طور پر دیکھیں اور اس پر تبادلۂ خیالات کریں' اور اپنے اجتماعات کو اولاً اسی کے لئے صرف کریں۔ اور پھر یہ کہ آیا رفقاء نے مطالعہ کرکے اس چیز کو سمجھ لیا ہے یا نہیں' اس کے جائزے کے لئے سوالنامے تیار کئے جائیں۔ یہ میں نے فردوسی صاحب کے ذمہ لگایا ہے کہ وہ سوالات بھی تیار کریں اور ان کے جوابات بھی دیکھیں اور جانچیں۔

رابعاً۔ دعوت اصلاً ایک ذاتی عمل ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ پر یہ محسوس کرے اور اس پر یہ دھن سوار ہو جائے کہ مجھے لوگوں کو قائل کرنا ہے اور انہیں اپنی جدوجہد میں شریک کرنا ہے' شامل کرنا ہے۔ یہ دو الفاظ "قائل کرنا اور شامل کرنا" اچھی طرح نوٹ کر لیجئے۔ اور اصل میں اسی سے آپ کی کامیابی کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے کتنے لوگوں کو اپنے مقصد' اپنے نظام اور اپنے طریق کار کے بارے میں قائل کیا اور اپنا ہم خیال بنایا۔ اور جب کوئی شخص قائل ہو گیا تو اب اسے شامل ہونا چاہئے۔ یہ گویا کہ آپ کی کوشش اور محنت کا ایک پیمانہ ہے کہ آپ نے کتنے لوگوں کو تنظیم کا قائل کیا اور اس میں شامل کیا۔ اجتماعات میں اس چیز کو محض رسمی ضابطے کی کارروائی کی حیثیت نہ دی جائے۔ دعوتی پروگراموں کو آپ جس طرح چاہیں اپنے مقامی نظام کے مطابق ترتیب دے لیں' البتہ تنظیمی اجتماع exclusive ہونا چاہئے۔ اس میں صرف تنظیم کے رفقاء ہی شریک ہونے چاہئیں جو بیعت کرکے شامل ہو چکے ہوں۔ کسی اور صاحب کو اس خیال سے اس میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے کہ وہ قریب سے آکر دیکھیں گے' متاثر ہوں گے اور تنظیم میں شامل ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھیں

کہ یہ معاملہ بسا اوقات "counter-productive" ہو جاتا ہے۔ ہم تنظیمی اجتماعات میں ایک دوسرے پر تنقید بھی کرتے ہیں، انسانی معاملات میں سو طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو کسی نئے آنے والے کے لئے یہ باتیں بجائے مفید ہونے کے نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے بارے میں کوئی مافوق البشریت اور کوئی سپرمین والا تصور رکھتا ہو، اور وہ خواہ مخواہ ایک منفی تأثر لے کر جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں بہت زیادہ احتیاط کیجئے کہ آئندہ جو بھی تنظیمی اجتماع ہو وہ خالصتاً رفقاء کے لئے ہو۔ ان اجتماعات کی frequency کیا ہو، اس طرح کے معاملات میں عطاء الرحمٰن صاحب کے مشورے سے اجتماعات کا ایک یکساں نظام بنا لیا جائے۔

یہاں پر جو دوسرے تبلیغی، تعلیمی اور سماجی کام ہو رہے ہیں ان کے بارے میں میں نے شروع ہی سے یہ ہدایت دی ہے کہ ان میں شرکت ضرور کی جائے لیکن کوئی ذمہ داری یا منصب قبول نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اس طرح آپ پر دو طرح کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہو جائے گا۔ اور پھر آپ کو جس طرح تنظیم کے لئے اپنا آپ devote کرنا چاہئے وہ آپ نہیں کر سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ یہ کام تنظیم کی cost پر نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں میں نے دو استثناءات قائم کئے ہیں۔ ایک تو جو مسلم سینٹر آف نیویارک سے متعلق ہمارے ساتھی ہیں۔ ان میں ابراہیم لونت صاحب بھی ہیں اور ممنون احمد مرغوب صاحب بھی۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مرغوب صاحب میرے بہت قریبی عزیز ہیں۔ ان کی والدہ مرحومہ اور میری والدہ مرحومہ حقیقی خالہ زاد بہنیں تھیں۔ میری والدہ کا تو حال ہی میں، ایک ہی سال پہلے انتقال ہوا، ان کی والدہ کئی سال پہلے انتقال فرما چکی ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ نوید انور ہیں۔ یہ اس حلقے کے بڑے ہی اہم کارکن ہیں۔ انہوں نے چونکہ تنظیم میں شامل ہوتے وقت ہی مجھ سے یہ اجازت لے لی تھی کہ ادھر ہماری commitment ہے لہٰذا ہم تنظیم میں اتنا وقت نہیں دے سکیں گے اور میں نے ان کو رعایت دے دی تھی، لہٰذا وہ رعایت اب بھی برقرار ہے۔ اسی طرح دوسرا معاملہ فردوسی صاحب کا بھی ہے کہ انہوں نے "اقرأ" قائم کی ہے جیسے کہ تعارف میں بھی آیا ہے اور اس کے ڈانڈے تنظیم کے کام کے ساتھ بھی جڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں بہرحال میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ حضرات تنظیم کے بنیادی اسٹرکچر کے ساتھ شرکت کو ضرور ملحوظ رکھیں۔ باقی اگر کسی وقت وہاں کا کوئی کام ہے تو ان کے لئے مقامی نظم سے

معذرت کرکے اجازت لے لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سلسلے میں میری طرف سے یہ اصولی ہدایت موجود ہے۔ البتہ رفقاءِ تنظیم کے مالی و جسمانی اور وقت کے جو وسائل ہیں وہ ان کاموں کی طرف divert نہیں ہونے چاہئیں تاکہ تنظیم کے کام کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے کہ اب آل امریکہ تنظیم کے اپنے کچھ تقاضے ہیں اور اس وقت ہمارے پاس "ہاتھ" بہت کم ہیں' اور سب سے کم غالباً شکاگو ہی میں ہیں' جبکہ کسی وقت سب سے زیادہ کام وہیں پر ہوتا تھا۔ ابھی وہاں سے تنویر عظمت صاحب جو معتمد اور سیکرٹری کی حیثیت سے امیرِ حلقہ کی بہت زیادہ معاونت کر رہے تھے وہ بھی چونکہ ایک سالہ کورس کے لئے پاکستان چلے گئے ہیں لہٰذا He is very much handicapped. اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے رفقاء وہاں سے انہیں زیادہ سے زیادہ معاونت بہم پہنچائیں۔ البتہ ان کی اجازت سے اگر خیر کے کسی کام میں کوئی تعاون ہو تو وہ کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے لئے میں نے عرض کیا تھا کہ مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ اور "انفاق" کے بارے میں آپ میرے دروس میں بارہا سن چکے ہوں گے کہ یہ "نفاق" کا علاج ہے۔ نفاق ایسا مرض ہے کہ امراضِ باطنی میں اس سے زیادہ مہلک بیماری کوئی اور نہیں ہے۔ اور اس کا علاج قرآن میں انفاق بتلایا گیا ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا۔ چنانچہ جب پوچھا گیا کہ کتنا خرچ کیا جائے تو فرمایا گیا کہ: "قُلِ الْعَفْوَ" یعنی جو بھی ضرورت سے زیادہ ہے وہ دے ڈالو۔ تو جتنا بھی اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے گا اسی قدر انسان نفاق سے محفوظ ہوتا چلا جائے گا۔ اور یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اس سے تمہارے ہاں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ تو صرف ایک امتحان ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت تحریکِ خلافت کے لئے مالی تعاون کی بہت زیادہ ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے اس کے لئے لوگوں سے ذاتی طور پر بھی مالی تعاون کے لئے کہا ہے اور عام اجتماعات میں بھی اپیل کی ہے۔ اس کے لئے آپ کو زیادہ سے زیادہ انفاق کرنا چاہئے۔ یہ انفاق چاہے آپ فوری طور پر کریں یا بعد میں' بہرحال اس کا عزم و ارادہ کرکے جلد از جلد کوشش کریں۔

دوسرے یہ کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ "Strike when the iron is hot" کے مصداق اب وہاں پر چونکہ ایک ایسی فضا

ہے کہ مذہبی فکر رکھنے والے' دردمند لوگوں کے لئے پھر سوچنے کا مرحلہ آگیا ہے' لہٰذا اس موقع پر اگر آپ لوگ بھی وہاں جاکر اپنے عزیز و اقارب اور برادریوں میں کام کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا سالانہ اجتماع ۲۹/ اکتوبر سے ۳۱/ اکتوبر تک ہو رہا ہے' اس میں جن حضرات کے لئے بھی ممکن ہو وہ ضرور تشریف لائیں' اس سے وہاں کے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس شے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ آپ کی وہاں آمد سے اگر کسی کے جذبے کو تقویت حاصل ہوتی ہے تو اس میں آپ کے لئے بڑا اجر ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَن مشیٰ مع فاسقٍ لیقوّیہٗ فقد اعان علیٰ ھَدمِ الاِسلام" یعنی جو شخص کسی فاسق کے ساتھ چلتا ہے تاکہ اسے تقویت پہنچائے تو اس نے اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے میں مدد کی ہے۔ آپ اگر کسی فاسق شخص کے ساتھ جا رہے ہیں تو دیکھنے والا تو یہی سمجھے گا کہ وہ ایک اچھا آدمی ہی ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ ایک اچھا آدمی جا رہا ہے' تو اس طرح آپ نے اس کو تقویت پہنچائی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ ایسے شخص نے اسلام کو demolish کرنے میں مدد کی ہے۔ اسی طرح جب کسی فاسق آدمی کی مدح کی جاتی ہے' اس کی شان میں قصیدے اور سپاس نامے پڑھے جاتے ہیں اور اس کی مدح و ستائش میں آسمان اور زمین کے قلابے ملائے جاتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ سخت غضبناک ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں الفاظ وارد ہوتے ہیں: "اِذا مُدِحَ الفاسقُ غَضِبَ اللّٰہ تعالیٰ و اھتزّ لہُ العرش" یعنی جب کسی فاسق شخص کی مدح کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے اور عرش کانپنے لگتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں آج ہمارے ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں۔ میں اس وقت اس کا عکس (converse) بتا رہا ہوں کہ آپ کا وہاں آنا اور اجتماع میں شامل ہونا کئی اعتبارات سے مفید ہو سکتا ہے۔ مثلاً مختلف دینی جماعتوں کے کتنے ہی لوگوں سے آپ کے تعلقات ہوں گے' آپ وہاں جاکر ان سے بات کریں اور ان کو معلوم ہو کہ آپ تنظیم اسلامی میں شامل ہو گئے ہیں تو نامعلوم ان میں سے کتنے لوگوں کے ذہنوں کے cells کھل جائیں گے' ورنہ کم از کم غور کرنے کے لئے تو تیار ہوں گے' سوچیں گے تو سہی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کے لئے بہت ہی اہم موقع ہے۔ مزید یہ کہ سالانہ اجتماع پر آپ آئیں گے تو ہمارے ساتھیوں کو تقویت حاصل ہوگی۔ ظاہر ہے اس پر آپ کا خرچ تو

ہو گا' وقت بھی صرف ہو گا' لیکن وقت اور پیسہ خرچ کرنے ہی سے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے ملتے ہیں۔ تو بہرحال یہ میری خواہش ہے جس سے میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی امریکہ عطاء الرحمٰن صاحب کو تو میں نے خاص طور پر کہا ہے' لیکن چونکہ یہ ہمہ وقت نہیں ہیں اور ان کی جاب بھی پروفیشنل ہے' لہٰذا مجھے معلوم نہیں کہ ان کو مزید چھٹی مل سکتی ہے یا نہیں۔ میرے اس دورے کے دوران بھی یہ کئی مرتبہ نیو یارک اور دوسری مختلف جگہوں پر گئے ہیں' لاس اینجلس کے کیمپ وغیرہ میں بھی شرکت کی ہے' تو اس کے لئے انہیں چھٹیاں لینی پڑی ہیں۔ اب اگر مزید چھٹی ممکن ہو تو ان کے لئے اجتماع میں شرکت کو تو میں لازم کے درجے میں کر رہا ہوں۔ باقی یہ کہ اگر ہر تنظیم کے کم از کم ایک نمائندے وہاں پہنچیں تو میرے نزدیک یہ ایک قابل قدر بات ہو گی۔

جہاں تک حلقہ خواتین کا تعلق ہے تو اس کی ابھی ہم یہاں علیحدہ طور سے آزادانہ تنظیم نہیں کر رہے۔ لیکن اللہ کے فضل سے مختلف شہروں سے جو خواتین بھی آج آئی ہیں ان میں سے اکثر تنظیم میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر رہی ہیں اور اس کے لئے گفتگو ہو رہی ہے۔ یہاں ٹورنٹو میں تو خواتین کا ایک خاصا مضبوط حلقہ پہلے سے موجود ہے اور اب اس کو منظم کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان کو ہم زیادہ سے زیادہ اسروں کی شکل دیں گے یا ان کی حیثیت منفرد رفیقات کی ہو گی۔ حلقہ خواتین کا لائحہ عمل علیحدہ سے شائع شدہ موجود ہے' ان کا تعلق براہ راست مرکز کے ساتھ رہے گا۔ یہاں پر ہمارے تنظیمی اجتماعات مخلوط نہیں ہونے چاہئیں۔ اگرچہ آپ اجتماعات میں علیحدگی تو برقرار رکھتے ہیں لیکن تنظیمی اجتماعات سرے سے علیحدہ ہونے چاہئیں۔ البتہ گلی محلے کی سطح پر درسِ قرآن وغیرہ کی محفلوں میں اس طرح کا معاملہ ہو جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ جو خواتین کام کر رہی ہیں اور کچھ earn کر رہی ہیں تو وہی تین فیصد کا معاملہ ان پر بھی لاگو ہو گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اپنے جیب خرچ میں سے وہ جو بھی خرچ کریں گی اللہ کے ہاں اس کا اجر پائیں گی۔ ○○

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○○

افکار و آراء

مسئلہ عورت کی حکمرانی کا

محترمہ بینظیر بھٹو کے دوبارہ بر سر اقتدار آتے ہی ایک بار پھر عورت کی حکمرانی کے مسئلہ پر بحث شروع ہو گئی ہے اور اخباروں کے صفحات اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین سے پر ہو رہے ہیں۔

پاکستان جمہوریت کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا' لہٰذا جمہوری نظام سے ہی اس کا آغاز ہوا۔ اس کی عمر کے پہلے عشرے میں مختلف حکومتیں ووٹ کی بنیاد پر وجود میں آتی رہیں۔ لیکن محلاتی سازشوں کے نتیجے میں ۱۹۵۸ء میں جمہوری عمل کی بساط ایک آمر نے لپیٹ دی اور ملک میں مارشل لاء کی بنیاد پڑ گئی۔ ۱۹۶۲ء تک مارشل لاء چلتا رہا' پھر اس آمر نے اپنی آمریت کو جمہوری لباس پہنا کر ایک عشرہ مکمل کیا۔ لیکن چونکہ یہ جمہوریت ایک آمر کی عطا تھی جسے عوام الناس کی ناپسندیدگی کا اندیشہ لاحق تھا' لہٰذا اس کنٹرولڈ جمہوریت کا نام "بنیادی جمہوریت" رکھا گیا لیکن عوام نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس آمر کے مقابلے کے لئے اپوزیشن نے قائد اعظم کی ہمشیرہ کا انتخاب کیا جو ظاہر ہے کہ ایک خاتون ہی تھیں۔ اس وقت پہلی مرتبہ عورت کی سربراہی کا مسئلہ اٹھا اور کیسے نہ اٹھتا کہ اندیشہ یہ تھا کہ مادر ملت اگر جیت جائیں تو اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک میں ایک خاتون کی حکمرانی قائم ہو جاتی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس وقت مادر ملت کا دفاع ایک ایسی دینی شخصیت نے کیا جو قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ مطالبہ لے کر اٹھی تھی کہ چونکہ یہ مملکت اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تھی لہٰذا یہاں نظام اسلامی ہی ہونا چاہئے۔ اس وقت دلیل یہ دی گئی تھی کہ جس طرح حالت اضطرار میں سور کا گوشت بھی حلال ہو جاتا ہے اسی طرح ایوب خان کی آمریت بھی قوم کے لئے حالت اضطرار ہی ہے لہٰذا بحالت موجودہ مادر ملت کی سربراہی کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ بحث اس لئے آگے نہ بڑھ سکی کہ مادر ملت انتخابات میں کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو قوم میں ان کے لئے پیدا شدہ احترام کو برقرار رکھنا مقصود تھا۔ بہرحال اس دینی شخصیت کے فراہم شدہ

اس جواز نے عورت کی حکمرانی کا دروازہ تو کھول ہی دیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کے پہلی مرتبہ برسراقتدار آنے کے بعد یہ بحث دوبارہ چھڑ گئی' لیکن دو وجوہ کی بناء پر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ علمائے پاکستان میں اس مسئلہ پر اجماع نہ ہو سکا کہ عورت کی سربراہی حرام ہے اور جو اس مسئلے کے حرام ہونے کے قائل تھے انہوں نے عوام میں ایسی کوئی تحریک برپا کرنے کے سلسلے میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا' جو اس مسئلہ کے بارے میں ان کی عدم سنجیدگی کا ثبوت ہے۔ درمیانی عرصے میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت قائم ہوئی جسے دو تہائی سے زیادہ اکثریت حاصل تھی اور جس اتحاد میں دینی جماعتوں کے قائدین بھی شامل تھے' لیکن انہوں نے آئی جے آئی کی حکومت کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ عورت کی سربراہی کے سدباب کے لئے پارلیمنٹ میں کوئی بل ہی لے آئے۔ بلکہ حالیہ انتخابات کے دوران ایک جانب اسلامی فرنٹ کی سولو فلائٹ نے عورت کی سربراہی کی راہ ہموار کی تو دوسری جانب اسلامی جمہوری محاذ نے پیپلز پارٹی کے ساتھ انتخابی اتحاد قائم کیا۔ مذہبی جماعتوں کے اس رویے نے عوام کے حلقوں میں یہ تاثر پیدا کیا کہ انہیں اسلامی اقدار سے زیادہ اقتدار عزیز ہے۔ ایک طرف تو حضور ﷺ سے عشق کے دعوے اور دوسری جانب ان کے ارشاد گرامی کی تعمیل سے یہ اعراض! دوسرا نقصان یہ ہوا کہ عوام یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ عورت کی حکمرانی کے خلاف سارا شور و غوغا ایک پولٹیکل ایشو ہے' ورنہ مذہبی جماعتوں کی طرف سے اس دوعملی کا ہرگز مظاہرہ نہ ہوتا۔

کہتے ہیں کہ فقہی لحاظ سے عورت کی سربراہی مکروہ کے درجے میں آتی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ مکروہ ناپسندیدہ شے ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اور بھی برائیاں موجود ہیں جو حرام مطلق کا درجہ رکھتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم نے اپنی بہترین صلاحیتیں اور وسائل ان محرمات کے سدباب کے لئے لگا کر حجت پوری کر دی ہے کہ عورت کی سربراہی پر اتنا شور و غوغا ہو رہا ہے۔ بلکہ کہاں ہو رہا ہے؟ یہ تو کبھی کبھار کسی دینی جماعت کے کسی قائد کی دینی حمیت جوش میں آتی ہے اور وہ عورت کی سربراہی کے طلسم سامری کو توڑنے کا اعلان کر دیتا ہے لیکن یہ اعلان بھی اعلان ہی کی حد تک رہتا ہے۔ میں تو ان دینی جماعتوں کے رہنماؤں سے

کہتا ہوں کہ جناب آپ نے نظام کی تبدیلی کے لئے ملک میں رائج جمہوریت کے کھیل میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر اس کھیل کے قوانین کی بھی پابندی کریں۔ یہاں تو جسے پیا چاہے وہی سہاگن والا معاملہ ہے۔ عوامی حاکمیت کا ثمر تو کڑوا ہوتا ہی ہے۔ اگر آپ کو کڑواہٹ کچھ زیادہ محسوس ہو رہی ہے تو اس کھیل سے باہر آیئے۔ انقلاب کا راستہ اختیار کیجئے۔ یہ فاؤل لیے تو نہ کیجئے۔

محمد سمیع R-251، محمد پور، کراچی

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

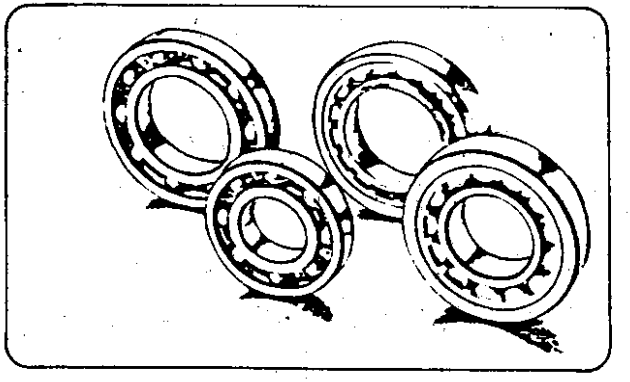

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

مشاہدات و تاثرات

تنظیمِ اسلامی کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع

نظم و ضبط کے اعتبار سے یہ ایک مثالی اجتماع تھا

نثار احمد ملک کے تاثرات

آج سے تقریباً اٹھارہ برس قبل ایک مردِ حق بیں نے اپنے تصورِ دین اور تصورِ فرائض کے تقاضے کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک مختصر سے قافلے کی بنا ڈالی۔ اس مختصر سے قافلے کی تشکیل کی پشت پر کسی شوقِ قیادت کے جذبہ کی تسکین نہ تھی بلکہ اپنے فرائض کی ادائیگی کا جذبہ کارفرما تھا۔ اگر جذبہ وذوقِ امارت ہوتا تو جماعت اسلامی سے علیحدگی کے فوراً بعد بغیر کسی انتظار کے جماعت بن سکتی تھی۔ اس اللہ کے بندے نے پہلے اپنے بزرگوں سے ہی التماس کی کہ وہ کوئی ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دیں، جب ان سے شدید مایوسی ہوئی تو پھر اس بھاری پتھر کو خود ہی اٹھالیا، لیکن چوم کر چھوڑا نہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک زمانے نے کتنی کروٹیں بدلیں، کتنے ہی لوگ دنوں کے الٹ پھیر کے ساتھ بدلتے چلے گئے۔ ان کی ایسی قلبِ ماہیت ہوئی کہ اپنی معاشرت میں بھی تہذیبِ مغرب کو سینے سے لگا لیا۔ ان کا تصورِ دین یکسر بدل کر رہ گیا۔ ان کے ساتھ کام کرنے والے حیران ہو کر رہ گئے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو انقلابِ اسلامی کے لئے لکھتے نہ تھکتے تھے، جن کا ایک ایک لمحہ اس صبح کے لئے وقف تھا جس کے طلوع ہونے کے ابھی کوئی آثار نہ تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے قابلِ احترام بزرگ بھی ہیں جنہوں نے اقامتِ دین کے تصور سے ہی جان چھڑالی اور کونوں کھدروں میں بیٹھ کر کتابوں کے انباروں کی اوٹ لے لی۔

یہ اندھی عقیدت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لئے لکھ رہا ہوں کہ ان تمام نظریاتی اور فکری آندھیوں میں بھی ایک شخص ایسا تھا جو اپنی قندیل لئے اس مقام پر کھڑا رہا جہاں وہ پہلے دن کھڑا تھا۔ کوئی لالچ، کوئی عہدہ اور کوئی دھمکی اس کے قدموں کو ڈگمگا نہ سکی۔ اس شخص نے اس وقت بھی قرآن کو اپنا امام بنایا تھا، آج بھی وہ اسی کتاب کو جو کبھی بوسیدہ نہ ہوگی، سینے سے لگائے ہوئے اور ہادی و رہنما بنائے ہوئے ہے۔ حجروں میں بیٹھ کر قرآن حکیم کا درس دینا یا اس کی تفسیر لکھنا آسان ہے کیونکہ اس کی مزاحمت نہیں ہوتی، چنانچہ یہ کام پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ بلا روک ٹوک ہوتا رہے گا۔ لیکن قرآن کو قریہ قریہ، شہر شہر اور گلی گلی ایک ایسے نور کے طور پر

پہنچانا بہت مشکل کام ہے جو اوہام کی تاریکی اور باطل نظریات کی نظربندی کو ہوا میں تحلیل کر کے رکھ دے۔

تنظیم اسلامی کو قائم ہوئے اٹھارہ برس بیت گئے۔ اس دوران بہت سے رفقاء نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی اور بہت سے داغ مفارقت بھی دے گئے۔ بعض تو کسی اور ہم عصر اجتماعیت میں شامل ہو گئے اور اپنے انداز میں فرائض دینی کی ادائیگی کرنے لگے' بعض دام ہمرنگ زمیں کا شکار ہو کر اقامت دین کی فرضیت سے ہی جان چھڑا چکے اور گوشہ عافیت میں بیٹھ گئے ہیں جب کہ بعض تصوف کی وادیوں میں گم ہو کر "ذکر و فکر صبح گاہی" میں مست بھی ہو گئے' لیکن تنظیم اسلامی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ تحریکوں کی مثال گاڑی کی سی ہے جو اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتی ہے' ہاں کچھ نئے مسافر چڑھتے ہیں تو کچھ پرانے اتر بھی جاتے ہیں۔

ہم نے تو آغاز سے انجام سفر جانا ہے
تم نے دو چار قدم چل کے ٹھہر جانا ہے

تنظیم اسلامی کے امیر محترم نے رفاقتوں کی قربانی دے دی لیکن کسی کو خوش کرنے کے لئے اپنے افکار میں کتر بیونت نہیں کی۔ اسی راہ عزیمت پر قائم و دائم ہیں جس کو علی وجہ البصیرت اختیار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر محترم مدظلہ کی استقامت ہی ان کی اصل کرامت ہے' بقول اقبال۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

امیر محترم مدظلہ نے آج سے اٹھارہ برس پہلے جو جماعت تشکیل دی تو آج اس کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع تھا۔ چند مشاہدات و تاثرات ہیں جو اس اجتماع کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھنے ہیں۔

تحریکوں کی زندگی میں سالانہ اجتماعات کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ اس کی اہمیت کا تین پہلوؤں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ان اجتماعات کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے پہلی بات تو تربیتی نقطۂ نظر سے ہے۔ کسی بھی جماعت کے کارکنوں کے لئے اپنی فکر کو مستحضر رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر بنیادی فکر' منزل کا شعور اور نصب العین ذہن سے نکل جائیں تو پھر جماعت کے ساتھ چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس تربیتی پہلو کو بھی ہم دو نکات میں واضح کر سکتے ہیں۔ پہلا نکتہ تو فکری تربیت سے متعلق ہے۔ یہ جماعت کیوں بنائی گئی؟ میں اس جماعت میں کیوں شامل ہوا؟ ہمارا نصب العین ہے کیا؟ ہمارا طریق کار کیا ہے؟ ہمارے اور دوسری جماعتوں میں فرق کیا ہے؟ ان تمام باتوں کو تازہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا نکتہ عملی تربیت سے متعلق ہے۔ اس عملی تربیت کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو روحانی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے گہری محبت اور تعلق بذریعہ فرائض و نوافل۔ دوسرا

پہلو بحیثیت داعی ہے کہ ایک داعی میں اضافی صفات کونسی ہوتی ہیں، دعوت کے اصول کیا ہیں، دعوت کا ہدف کیا ہونا چاہئے؟ پھر یہ کہ ایک داعی کو دعوت کے کن کن اسالیب کو سامنے رکھنا ہے؟ میں سمجھتا ہوں ہمارا اس بار کا سالانہ اجتماع ان تمام تربیتی پہلوؤں کے اعتبار سے کامیاب رہا ہے۔

ان سالانہ اجتماعات کی اہمیت آئندہ کی منصوبہ بندی کے حوالے سے بھی دوچند ہو جاتی ہے۔ ان اجتماعات کے مواقع پر اپنی گزشتہ کارگزاری کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے میں میر کاروان اور اہل حل وعقد کو آسانی ہوتی ہے۔ اس سالانہ اجتماع کے موقع پر جو گزشتہ سال کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی گئی وہ اعداد و شمار کے اعتبار سے تو نہیں لیکن اس حوالے سے بہت حوصلہ افزا تھی کہ حقائق پر مبنی تھی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ کسی بھی انقلابی جماعت کو اپنی طاقت کا صحیح صحیح اندازہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ اگلا قدم تب ہی اٹھایا جا سکتا ہے جب اپنی قوت کا اچھی طرح اندازہ ہو، ورنہ تحریکیں کسی بہت بڑے حادثہ کا شکار ہو سکتی ہیں اور ماضی میں ہوتی بھی رہی ہیں۔

سالانہ اجتماعات کی اہمیت کا تیسرا پہلو رفقاء کا باہمی تعارف ہے۔ ظاہر ہے ہم سب لوگ اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں اور ہمارے سامنے کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ ایسے لوگ جو اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جمع ہوئے ہوں ان کے لئے ایسے اجتماعات بہت اہم ہوتے ہیں۔ انہیں جو اپنائیت اور انسیت کا احساس ایسے مواقع پر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور طرح ہوتا ہو۔ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع جب اختتام پذیر ہوا اور رفقاء اپنے اپنے مساکن کی طرف جا رہے تھے تو اکثر کے چہرے افسردہ تھے، اس لئے کہ انہوں نے جو چند دن ایک مختلف قسم کی محبت و اپنائیت کے ماحول میں گزارے تھے، ان کے اختتام کا انہیں شدید احساس تھا۔ مجھ سے ایک رفیق تنظیم جاتے ہوئے ملے تو کہنے لگے کہ نجانے اب پھر کب ملیں گے! یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔ یہ محبت اللہ کے لئے ہے۔ یہاں یہ تاثر بھی نقل کر ہی دوں کہ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء میں باہمی محبت جس درجے میں ہونی چاہئے وہ نہیں ہے۔ میرا اپنا بھی ایک عرصہ تک یہ تاثر تھا لیکن اس سالانہ اجتماع کے موقع پر میرا یہ تاثر ختم ہو گیا ہے۔

اس سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک اہم بات یہ سامنے آئی کہ نظم وضبط کا معیار گزشتہ اجتماعات سے بہت بہتر تھا۔ کسی بھی انقلابی جماعت کے کارکنوں میں نظم وضبط کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لئے امیر محترم مدظلہ کہا کرتے ہیں کہ میں تو ایک انقلابی جماعت بنانے کی کوشش کر رہا ہوں، کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ انقلابی جماعت بنائی جا چکی ہے۔ جس انقلابی جماعت کا تصور امیر محترم رکھتے ہیں وہ تو واقعتاً بننے میں ابھی وقت لگے گا تاہم تنظیم اسلامی کے رفقاء اب نظم کے خوگر ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

نظم وضبط کے علاوہ ایک اور اہم بات انتظامات کی خوبی تھی۔ الحمدللہ کہ راقم نے جتنے سالانہ اجتماعات میں شرکت کی ان میں سے سب سے بہتر انتظامات اس اجتماع میں نظر آئے۔ رفقاء کو محترم

شمس الحق اعوان صاحب نے' جن کے کاندھوں پر ناظم اجتماع کی ذمہ داری تھی' ہر سہولت مہیا کی۔ جس کے ذمے جو ڈیوٹی تھی اس نے بطریق احسن اسے نبھانے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے ایک اپنا تاثر بیان کر رہا ہوں کہ انقلابی جماعت کے کارکنوں کو ایسی سہولتوں کا عادی نہیں بنانا چاہئے۔ اس کے برعکس ان کی تربیت کا ایک پہلو یہ بھی ہونا چاہئے کہ مشکلات کا سامنا کریں کیونکہ ایک انقلابی جماعت کے کارکنوں کو کسی بھی وقت مصائب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی پاکستان کا سالانہ اجتماع اس حوالے سے بھی گزشتہ اجتماعات سے مختلف تھا کہ میر کارواں کی شرکت بہت کم رہی۔ خطبہ جمعہ سے سالانہ اجتماع کا افتتاح ہوا' یہ خطبہ جمعہ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ امیر محترم کا معمول کا پروگرام تھا' اس کا سالانہ اجتماع سے زیادہ تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد پھر اختتامی خطاب تھا۔ باقی تمام پروگرام تنظیم اسلامی کی دوسری صف نے انجام دیئے۔ اس سے یہ غلط فہمی کسی درجہ میں رفع ہوئی ہے کہ تنظیم اسلامی "ون مین شو" ہے۔ اس اجتماع کے موقع پر جس طرح دوسرے رفقاء نے تقاریر کی ہیں' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب الحمدللہ امیر محترم کی فکر کو اچھی طرح سمجھنے والے اور پھر بیان کرنے کی صلاحیت رکھنے والے رفقاء کی کمی نہیں رہی۔

تنظیم اسلامی میں شمولیت سے قبل اور شامل ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک راقم خود اس غلط فہمی کا شکار تھا کہ تنظیم اسلامی امیر محترم کے دم قدم سے ہی قائم ہے اور ان کے بعد شاید اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے۔ میں اپنے اس اندیشے کا اظہار اپنے رفقاء سے کرتا رہا۔ ہمارے ایک محترم رفیق نے ایک دن فرمایا کہ جب تک امیر محترم مدظلہ موجود ہیں' دوسرے باصلاحیت لوگ ابھی نمایاں نہیں ہو سکیں گے۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ بڑی شخصیات کی موجودگی میں ان سے زیادہ صلاحیت والا آدمی ہی بہت زیادہ نمایاں ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تنظیم میں باصلاحیت لوگوں کی کمی ہے۔

یہی خدشہ میرے ایک دوست جو تنظیم اسلامی کی فکر سے بہت زیادہ متاثر تھے' ظاہر کیا کرتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے بعد کیا ہو گا؟ اس سالانہ اجتماع پر وہ موجود تھے اور الحمدللہ تنظیم اسلامی میں شمولیت بھی اختیار کر لی ہے۔ رفقاء کی مختلف موضوعات پر انہوں نے تقاریر سنی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا خدشہ دور ہوا ہے یا نہیں' تو کہنے لگے کہ بالکل رفع ہو گیا ہے۔

اس سالانہ اجتماع کے حوالے سے ایک اور اہم بات' جو راقم نے نوٹ کی' اور شاید دوسرے رفقاء کا ذہن بھی اس طرف گیا ہو' کہ فکری توازن کے معاملہ میں جہاں امیر محترم بہت حساس ہیں وہیں یہ کیفیت میں نے رفقاء میں بھی نوٹ کی ہے۔ چنانچہ جب رفیق محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے دوران گفتگو اقامت دین کی اہمیت بہت زیادہ بیان کی اور دعوت کا ہدف اقامت دین کو قرار دیا اور ان کی گفتگو سے کچھ یہ مترشح ہوتا تھا کہ گویا اقامت دین نصب العین ہے تو اس بات کی امیر محترم مدظلہ نے فوراً وضاحت کی اور بڑے زور دار الفاظ میں کہا کہ ہمیں یہ چیز کسی وقت بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ

ہمارا نصب العین نجات اخروی اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر تحریکیں اسی وجہ سے ناکام ہوئی ہیں کہ انہوں نے اپنے ہدف کا صحیح تعین نہیں کیا۔ ظاہر ہے جب نصب العین اسلامی انقلاب یا اقامت دین ٹھہرے گا اور اس نصب العین کے حصول کے امکانات دور دور تک نظر نہ آئیں تو فرسٹریشن پیدا ہو گی اور اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے غلط صحیح ذرائع اور راستے اختیار کئے جائیں گے۔ لہٰذا امیر محترم کی وضاحت کے علاوہ قرآن کالج کے پرنسپل محترم لطف الرحمٰن خان صاحب نے بھی اپنے لیکچر میں بتایا کہ نصب العین کے غلط تعین کی وجہ سے "حب عاجلہ" کا روگ لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ واقعتاً مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فکری توازن سے نوازا ہے اور ہم دوسروں کے بڑے بڑے اجتماع دیکھ کر حب عاجلہ کا شکار نہیں ہوتے۔

اس سالانہ اجتماع کے پروگراموں میں ایک اہم پروگرام "مذاکرہ" کا تھا۔ مذاکرہ کا موضوع تھا "پاکستان میں اسلام کا مستقبل" اس پروگرام کی میزبانی اقتدار احمد صاحب کر رہے تھے۔ پاکستان اور اسلام کا آپس میں تعلق کیا ہے؟ یہ امیر محترم مدظلہ کا بہت اہم اور پسندیدہ موضوع ہے۔ اس پر امیر محترم نے لکھا بھی ہے اور بلاشبہ بیسیوں تقاریر بھی کی ہیں۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء امیر محترم کے افکار سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ امیر محترم کو اس خطہ سے جو توقعات وابستہ ہیں' وہ بھی سب پر عیاں ہیں۔ لیکن اس مذاکرہ میں جن رفقاء نے حصہ لیا ان میں سے اکثر نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کو بیان کیا' امیر محترم کے افکار کو من و عن بیان نہیں کر دیا۔ خصوصاً محترم جنرل انصاری مدظلہ اور محترم لطف الرحمٰن خان صاحب نے جو نقطۂ نظر پیش کیا وہ ڈاکٹر صاحب کے افکار سے کسی قدر مختلف تھا۔

اس کی اہمیت راقم کے نزدیک یہ ہے کہ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ تنظیم اسلامی کی بنیاد بیعت سمع وطاعت پر ہے لہٰذا وہاں فکری آزادی نہیں ہے۔ تنظیم اسلامی کے وابستگان جانتے ہیں کہ جتنی فکری آزادی اور اظہار رائے کے مواقع تنظیم اسلامی میں ہیں' شاید ہی کسی دوسری جماعت میں ہوں۔ خصوصاً عمرانی و سیاسی افکار کے حوالے سے تو ڈاکٹر صاحب مدظلہ کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ رفقاء وہی رائے رکھیں جو میری ہے۔ البتہ جہاں تک ان سیاسی امور کا تعلق ہے جن کے بارے میں تنظیم اسلامی کی جماعتی پالیسی بن چکی ہے اور جن سے اتفاق کی صورت میں ہی تنظیم میں شمولیت ممکن ہے' ان سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً تنظیم اسلامی انتخابی سیاست میں کبھی نہیں جائے گی' انتخابی سیاست سے انقلاب ممکن نہیں' تنظیم اسلامی کا رفیق الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا' تنظیم اسلامی نہ ہی بحیثیت جماعت اور نہ ہی اس کا کوئی رفیق کسی کے لئے الیکشن مہم چلائے گا۔ ووٹ دینے کے لئے دو شرائط ہیں' جس امیدوار میں یہ شرائط پوری ہوں اس کے حق میں ووٹ کاسٹ کرنے کی اجازت ہے۔ بہرحال رفقاء نے اس مذاکرے میں کھل کر اظہار خیال کیا اور اپنی رائے بیان کی۔

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماعات میں عموماً فکری یاددہانی کا وافر سامان ہوتا ہے۔ خصوصاً کسی ایک موضوع پر مختلف تقاریر اور دروس کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ اس موضوع کے مختلف گوشے کھل کر

سامنے آئیں۔ چنانچہ گزشتہ سالانہ اجتماع کا موضوع تھا "نظم جماعت" جس کے مختلف پہلوؤں پر رفقاء نے دروس دیئے۔ مثلاً امیر اور مامور کے آداب و فرائض' نجویٰ کی حقیقت' اجازت لینے کی شرائط و آداب وغیرہ۔ اس سال کا موضوع "دعوت" تھا' چنانچہ تمام دروس اور لیکچر دعوت ہی کے مختلف پہلوؤں پر ہوئے۔ یہ بہت ہی مفید پروگرام تھا۔ اس طرح کم از کم ایک موضوع پر تو رفقاء کو کافی مواد مل جاتا ہے جو ان کے لئے دعوت کے کاموں میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ویسے تو ہماری پوری تحریک کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے۔ ہمارا دعوتی لٹریچر بھی قرآن ہی ہے اور آلہ انقلاب بھی قرآن۔ اسی کا ایک عکس ان تقاریر میں بھی نظر آیا کہ تمام رفقاء نے اپنی تقاریر قرآن حکیم کی آیات بینات کو بنیاد بنا کر کیں۔

ایک اہم بات جو میں نے بھی نوٹ کی اور بعد میں ایک اور رفیق نے بھی اس کی طرف توجہ مبذول کرائی وہ یہ ہے کہ اس سالانہ اجتماع پر ملک کے تقریباً ہر گوشے سے رفقاء نے شرکت کی۔ میں نے ایک چھوٹا سا سروے بھی کیا کہ شاید فلاں جگہ سے' فلاں ضلع سے کوئی رفیق نہ آیا ہو' لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ تقریباً ہر ضلع اور تحصیل سے کوئی نہ کوئی رفیق ضرور موجود تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ الحمدللہ ہماری دعوت ملک بھر میں پھیل رہی ہے اور آہستہ آہستہ اس کا ابلاغ عام ہو رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن تک یہ نور توحید اور پیغام انقلاب پہنچا ہے' وہ اس کی خیرات کس فیاضی سے کرتے ہیں اور کس حد تک اپنے جان و مال کو اس کے افشاء میں کھپاتے ہیں۔

سالانہ اجتماع کا آخری پروگرام نئے رفقاء کا بیعت سمع وطاعت سے مشرف ہونا تھا' اگرچہ دوسرے رفقاء نے بھی تجدید عہد کے لئے بیعت کے الفاظ امیر محترم کی اقتداء میں دہرائے۔ جب امیر محترم رفقاء سے بیعت لے رہے تھے تو چشم تصور میں زمانہ رسالت پھر گیا۔ یہ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ چشم فلک نے تو وہ منظر بھی دیکھا ہو گا جب اللہ کے آخری نبی ﷺ اپنے جاں نثاروں سے بالکل انہی الفاظ میں بیعت لیا کرتے تھے۔ آج چودہ سو سال بعد ایک بار پھر اللہ نے اپنے ایک عاجز بندے کو اس سنت نبوی کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی جب بڑے بڑے علماء تہذیب حاضر کی چکاچوند اور جمہوریت کے سحر کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے اس موقع پر اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر دوڑائی تو ہر چہرے پر خشیت الٰہی کو طاری پایا۔ شاید اس بوجھ کا خوف ہو جو بیعت کے ذریعے اٹھایا جا رہا تھا۔ ان کے قلوب سے یہ آواز اٹھ رہی ہو گی کہ پروردگارا ہمارے نحیف و ناتواں کندھوں کو قوت بخش کہ ہم اس بوجھ کو اٹھا سکیں اور میر کارواں کے چشم و ابرو کے اشارے پر نقد جان پیش کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے منتخب فرمالے' آمین۔

ضرورت رشتہ

○ رفیق تنظیم اسلامی کی کنواری بیٹی، پابند شریعت، وفا شعار، سگھڑ، ان پڑھ، دیہات میں مقیم، عمر ۱۷ سال کے لئے مناسب، ہم کفو، برسرروزگار رشتہ درکار ہے۔

○ دینی مزاج کے حامل، گریجویٹ، سرکاری ملازم، ملتان شہر میں ذاتی رہائش، رفیق تنظیم اسلامی کے لئے ایسی پابند شریعت، عفت مآب، ضروری دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ رفیقہ حیات کا رشتہ درکار ہے جو خدمت و دعوت دین کا جذبہ صادق رکھتی ہو اور ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جو ٹی وی کی لعنت سے محفوظ ہو۔

برائے رابطہ: معرفت ڈاکٹر منظور حسین، قرآن اکیڈمی، ۲۵ آفیسرز کالونی ملتان فون ۵۲۰۴۵۱

○ فیصل آباد کے ایک گورنمنٹ کالج میں تعینات ایک پٹھان اسسٹنٹ پروفیسر کو اپنی ایم اے اردو تعلیم یافتہ بیٹی کے لئے دینی مزاج کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ (لاہور اور فیصل آباد کے مکین گھرانے کو ترجیح دی جائے گی)

رابطہ برائے خط و کتابت: معرفت دفتر انجمن خدام القرآن، ۱۵۷-پی، صادق مارکیٹ ریلوے روڈ فیصل آباد

دیندار خاندان سے موزوں رشتے درکار ہیں:

○ دو جڑواں بچیاں، عمر ۲۰ سال، خوبصورت، خوب سیرت، تعلیم بی اے۔

○ ایک بچی، عمر ۱۹ سال، خوب صورت، خوب سیرت، تعلیم میٹرک

خواہش مند والدین جی پی او بکس نمبر ۵۵۱-لاہور پر لکھیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

صلائے عام ہے مُدیرانِ جرائدِ اسلامیہ کے لیے!

دورِ حاضر میں ذرائع ابلاغ اور صحافت کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں پوری دنیا ایک جلسہ گاہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی صحافت کو فروعی اختلافات اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر روحِ اسلام کے عین مطابق امتِ مسلمہ کے بہترین مفاد میں مندرجہ ذیل مقاصد کے حصول کے لیے بروئے کار لایا جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز

(۱) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح دعوت (۲) اسلامی شعائر، اقدار اور روایات کا تحفظ (۳) پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش (۴) مختلف مکاتبِ فکر کے مابین اتحاد و اخوت کا فروغ (۵) اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحریر و تقریر کی آزادی کا حصول اور تحفظ (۶) اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف تحریکات کا علمی و فکری محاسبہ اور جذبۂ جہاد کے ساتھ ان کا دفاع (۷) استحکام پاکستان اور اتحاد عالمِ اسلامی کے لیے جدوجہد (۸) عالمِ اسلام کے دینی مجلات و جرائد کے ساتھ تعلقات و روابط کا اہتمام۔

(۹) پاکستان کے دینی مجلات کو درپیش مسائل کا حل اور حقوق کا تحفظ۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے سردار محمد عبدالقیوم خان وزیر اعظم آزاد کشمیر کی سرپرستی میں دینی جرائد کی پہلی تنظیم بنام رابطہ مجلات اسلامیہ کا قیام عمل میں آچکا ہے مورخہ ۴ اگست ۹۳ء کو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں زیر صدارت سردار صاحب مدیرانِ جرائد اسلامیہ کے اجلاس میں مندرجہ ذیل عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آچکا ہے۔

سرپرست: جناب سردار محمد عبدالقیوم خان وزیر اعظم آزاد کشمیر ـــــ نائب سرپرست: جناب مصطفیٰ صادق مدیر روزنامہ وفاق لاہور ـــــ صدر: مولانا فضل الرحیم منتظم ماہنامہ الحسن لاہور ـــــ نائب صدر: مفتی غلام سرور قادری، مدیر ماہنامہ البرلاہور ـــــ نائب صدر: حافظ صلاح الدین یوسف مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور ـــــ جنرل سیکرٹری: مولانا محمد حنیف جالندھری مدیر ماہنامہ الخیر ملتان ـــــ جائنٹ سیکرٹری: مولانا محمد شفیع جوش، اشاعت اسلام لاہور ـــــ خزانچی: جناب زاہد اشرف، مدیر پندرہ روزہ النبر فیصل آباد۔

اگر آپ کسی بھی دینی جریدہ کے مدیر/منتظم/مالک ہیں، رابطہ کار کنیت فارم آپ تک نہ پہنچا ہو تو مطلع فرمائیں فوراً ارسال خدمت کر دیا جائیگا ـــــ امید ہے کہ مذکورہ مقاصد سے اتفاق کرتے ہوئے رابطہ کی رکنیت اختیار فرما کر دستِ تعاون دراز فرمائیں گے۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

الداعی الی الخیر: حافظ فضل الرحیم۔ صدر رابطہ مجلات اسلامیہ پاکستان جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

اشاریہ میثاق

(جلد ۴۲)

جنوری ۹۳ء سے دسمبر ۹۳ء تک شائع شدہ مضامین کی مکمل فہرست

قرآنیات

اسرار احمد' ڈاکٹر

الہدیٰ (منتخب نصاب کے سلسلہ وار دروس)

مباحث جہاد فی سبیل اللہ

قسط ۸۲: اعراض عن الجہاد کی پاداش: نفاق (سورۃ المنافقون) (۵) — جنوری ۹۳ء' ص ۵

مباحث صبر و مصابرت

قسط ۸۳: صبر و مصابرت: سورۂ آل عمران کی آخری آیت کی روشنی میں — فروری ۹۳ء' ص ۲۵

قسط ۸۴: اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش (سورۃ العنکبوت) (۱) — اپریل ۹۳ء' ص ۱۷

قسط ۸۵: اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش: (سورۃ العنکبوت) (۲) — جون ۹۳ء' ص ۲۰

قسط ۸۶: اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش: (سورۃ العنکبوت) (۳) — جولائی ۹۳ء' ص ۵۹

قسط ۸۷: اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش: (سورۃ العنکبوت) (۴) — اگست ۹۳ء' ص ۶۵

قسط ۸۸: سیرت مطہرہ میں صبر و مصابرت کے مختلف ادوار — اکتوبر ۹۳ء' ص ۵۷

درس قرآن: دین میں "سمع و طاعت" کا مقام — جنوری ۹۳ء' ص ۳۴

محمد عثمان' ڈاکٹر

انفاق کا معیار مطلوب' الفاظ قرآنی "قل العفو" کی روشنی میں — جنوری ۹۳ء' ص ۶۲

اسوہ و سیرت نبوی

اسرار احمد' ڈاکٹر

بسلسلہ منہج انقلاب نبوی ﷺ

- فکر اقبال کی تعمیل کا تاریخی جائزہ — جنوری ۹۳ء' ص ۱۱
- اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت — فروری ۹۳ء' ص ۱۵
- سیرت نبوی: انقلابی عمل کے فہم کا واحد ذریعہ — مارچ ۹۳ء' ص ۲۳
- توحید' اسلامی انقلاب اور اجتماعی عدل کی فکری اساس — اپریل ۹۳ء' ص ۲۷
- اسلامی انقلابی جماعت یعنی "حزب اللہ" کی خصوصیات — مئی ۹۳ء' ص ۲۵
- "حزب اللہ" کی مسنون تنظیمی اساس — جون ۹۳ء' ص ۳۱
- انقلابی تربیت کا نبوی طریق — اگست ۹۳ء' ص ۳۶
- نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں — ستمبر ۹۳ء' ص ۱۹

سیرت صحابہؓ

محمد حمید فضلی

- مدح عمرؓ بزبان صدیق اکبرؓ — مارچ ۹۳ء' ص ۴۹

محمد شکیل صدیقی

- حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ خلافت: نظری اور عملی سیاست کا منشور — مارچ ۹۳ء' ص ۳۹

سابقہ اور موجودہ مسلمان امتیں

اور ان کا ماضی' حال اور مستقبل

اسرار احمد' ڈاکٹر

- سابقہ اور موجودہ مسلمان امتیں ---- تاریخ کا تقابلی مطالعہ — جون ۹۳ء' ص ۵

بیسویں صدی عیسوی ---- سابقہ اور موجودہ مسلمان امتیں — ستمبر ۹۳ء، ص ۵
"آنے والے دور" کی ایک واضح تصویر — اکتوبر ۹۳ء، ص ۱۱
اسلام کا عالمی غلبہ یا عالمی نظام خلافت کا قیام — اکتوبر ۹۳ء، ص ۱۸
ملت اسلامیہ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری — اکتوبر ۹۳ء، ص ۲۶
پاکستان کا مستقبل — اکتوبر ۹۳ء، ص ۳۴
ہماری نجات کا واحد ذریعہ: اجتماعی توبہ! — اکتوبر ۹۳ء، ص ۴۸

حقیقت و حکمت دین

اسرار احمد، ڈاکٹر

عظمت صیام و قیام رمضان — مارچ ۹۳ء، ص ۵
فتنہ دجال — مارچ ۹۳ء، ص ۳۱
دجالی فتنہ کی علامات (احادیث نبوی کی روشنی) — اکتوبر ۹۳ء، ص ۶۷

شبیر بن نور

زیر طبع کتاب "کبائر" کا قسط وار سلسلہ

○ گیارہواں کبیرہ: بیت اللہ کی حرمت پامال کرنا — جنوری ۹۳ء، ص ۷
○ بارہواں کبیرہ: ترک نماز — مارچ ۹۳ء، ص ۵۲
○ تیرہواں کبیرہ: زکوٰۃ ادا نہ کرنا — اپریل ۹۳ء، ص ۳۹
○ چودہواں کبیرہ: حج ادا نہ کرنا — مئی ۹۳ء، ص ۳۹
○ پندرہواں کبیرہ: — جون ۹۳ء، ص ۴۳

محمد شفیع، مفتی

امت کی وحدت اور یکجہتی — اکتوبر ۹۳ء، ص ۷۲

محمد یونس جنجوعہ

ولذکر اللہ اکبر — جنوری ۹۳ء، ص ۱۲

اسلامی نظام حیات

اسرار احمد' ڈاکٹر

جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی — دسمبر ۹۳ء' ص ۱۵

اشرف علی تھانویؒ

کیا رشتہ داروں کے باہمی تعلقات بے پردگی پر موقوف ہیں؟ — ستمبر ۹۳ء' ص ۶۱

خالد محمود خضر

چہرے کا پردہ اور اسلام (۱) — فروری ۹۳ء' ص ۶۳

چہرے کا پردہ اور اسلام (۲) — اپریل ۹۳ء' ص ۶۱

شبلی نعمانی

اسلام اور پردہ — مئی ۹۳ء' ص ۴۴

نعیم صدیقی

چہرے کا پردہ — جون ۹۳ء' ص ۴۹

مظہر علی ادیب

عورتوں کی جملہ سرگرمیوں کا مرکز گھر کی چار دیواری ہے! — ستمبر ۹۳ء' ص ۶۲

دعوت و تحریک

ابوالکلام آزاد

عزیمت دعوت (تلخیص و تدوین: ڈاکٹر محمد عثمان)(۱) — مارچ ۹۳ء' ص ۶۵

عزیمت دعوت (تلخیص و تدوین: ڈاکٹر محمد عثمان)(۲) — اپریل ۹۳ء' ص ۵۱

اسرار احمد، ڈاکٹر
شمالی امریکہ میں تنظیم اسلامی کا لائحہ عمل — دسمبر ۹۳ء، ص ۴۳

امین احسن اصلاحی
تبلیغ کس لئے؟ — فروری ۹۳ء، ص ۳۴

ظفر الحق، قاضی
الاخوان المسلمون — جنوری ۹۳ء، ص ۱۷

نجیب صدیقی
رفقاء کی ذمہ داریاں — مارچ ۹۳ء، ص ۴۷
تنظیم اسلامی کی دعوت — ستمبر ۹۳ء، ص ۵۴

ملکی، ملی و سیاسی مسائل

اسرار احمد، ڈاکٹر
دینی محاذ کا لائحہ عمل — فروری ۹۳ء، ص ۷
امریکہ میں مسلم فنڈامنٹلزم کا فروغ — اپریل ۹۳ء، ص ۵
اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ: — مئی ۹۳ء، ص ۷
احیائی تحریکوں میں تشدد اور دہشت گردی کا رجحان — جولائی ۹۳ء، ص ۷
پاکستان کی موجودہ سیاست اور تنظیم اسلامی — اگست ۹۳ء، ص ۵
تحریک خلافت کا موقف — نومبر ۹۳ء، ص ۵
پاکستانی سیاست کے نئے دور کے آغاز پر چند تجاویز اور مشورے — دسمبر ۹۳ء، ص ۷
حالیہ الیکشن کے نتائج: دینی سیاسی جماعتوں کے لئے لمحہ فکریہ
اپنی خودی پہچان! اے مسلم پاکستان!!

توضیح و تنقیح

اسرار احمد، ڈاکٹر

مولانا مودودی مرحوم اور مسئلہ بیعت — فروری ۹۳ء، ص ۴۹

قاضی زاہد الحسینی کا مکتوب گرامی اور امیر تنظیم اسلامی کی وضاحت — مئی ۹۳ء، ص ۵۹

افکار و آراء (مراسلات وغیرہ)

ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا آزاد کے ایک خط کے ضمن میں علمی تعاون کی درخواست — جولائی ۹۳ء، ص ۶۸

اعزاز مسرور

عالمی امن کے قیام کا واحد راستہ — جون ۹۳ء، ص ۶۵

سعید الرحمٰن علوی

مولانا مدنیؒ اور مسئلہ قومیت — اپریل ۹۳ء، ص ۷۷

شمیم احمد صدیقی

جناب جاوید احمد غامدی کے نام — جنوری ۹۳ء، ص ۶۲

ظریف احمد ندوی

مشرقی پنجاب میں اشاعت اسلام کی ضرورت و اہمیت — اگست ۹۳ء، ص ۷۴

فیاض اختر میاں

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تالیف سے اقتباسات پر مشتمل ایک مکتوب — جولائی ۹۳ء، ص ۷

نکہت حامد
جدہ سے نسیم الدین صاحب کے نام فکر انگیز خط اور ان کا جواب — اکتوبر ۹۳ء' ص ۷۶

محمد اسلم قاضی
یہودی سرمایہ دار' پاکستان کے لئے عظیم خطرہ — جون ۹۳ء' ص ۶۵

محمد امین منہاس' میجر (ریٹائرڈ)
۱۹۹۳ء کے انتخابات کو مزید عذاب الٰہی نہ بننے دیں — اگست ۹۳ء' ص ۷۲

محمد سمیع
مسئلہ عورت کی حکمرانی کا — دسمبر ۹۳ء' ص ۶۲

مقصود احمد
سود سرمایہ داری کی جان اور اس کی روح رواں ہے — ستمبر ۹۳ء' ص ۵۸

رفتار کار دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

تنظیم کے ذمہ دار حضرات کے لئے چھ روزہ خصوصی تربیت گاہ — فروری ۹۳ء' ص ۷۰
امیر تنظیم اسلامی کے سفر امریکہ' پیرس' سعودی عرب اور امارات کی اجمالی رپورٹ — اپریل ۹۳ء' ص ۶۵
متحدہ عرب امارات میں ریفریشر کورس اور امیر تنظیم کا مختصر دورہ — جون ۹۳ء' ص ۷۱
امیر تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورۂ کراچی — جولائی ۹۳ء' ص ۷۲
دو روزہ تربیت گاہ' کراچی — جولائی ۹۳ء' ص ۷۴
ناظم اعلیٰ پاکستان اور ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان کا دورۂ کوئٹہ — جولائی ۹۳ء' ص ۷۹
چنوکی میں دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام — اگست ۹۳ء' ص ۷۷
کراچی میں مبتدی تربیت گاہ کا انعقاد — ستمبر ۹۳ء' ص ۶۵
دیر میں جلسہ خلافت — ستمبر ۹۳ء' ص ۶۷
ملتان میں مبتدی تربیت گاہ' ایک مختصر رپورٹ — اکتوبر ۹۳ء' ص ۸۰

مرکزی رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان — نومبر ۹۳ء، ص ۷
سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان — نومبر ۹۳ء، ص ۳۸
سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین — نومبر ۹۳ء، ص ۴۲
امیر تنظیم اسلامی کا حالیہ دورۂ شمالی امریکہ — نومبر ۹۳ء، ص ۴۹
تنظیم اسلامی پاکستان کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع — دسمبر ۹۳ء، ص ۶۵

عرض احوال

"عرض احوال" کے مستقل عنوان سے ادارتی مضامین حافظ عاکف سعید صاحب تحریر کرتے ہیں۔

29/6/34

طلباء و طالبات کے لئے خوشخبری

مسلمانوں کی سائنسی ایجادات اور علمی کارناموں پر مشتمل
32 صفحات کا کتابچہ بعنوان

"مسلمانوں کی علمی خدمات"

تمام طلباء و طالبات مفت حاصل کر سکتے ہیں
اپنے تعلیمی ادارے کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور ڈاک خرچ کے لئے ایک روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر کتابچہ طلب کریں۔

پتہ: مکتبہ سراج منیر 287 ایف، رحمان پورہ، لاہور

قارئین نوٹ فرمالیں!

کاغذ کی قیمت اور طباعتی اخراجات میں مسلسل اضافے کے باعث
جنوری ۱۹۹۴ء سے ماہنامہ "میثاق" کے سالانہ زرتعاون اور فی شمارہ قیمت
میں اضافہ کیا جارہا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

اندرون پاکستان

قیمت فی شمارہ -/۷ روپے' سالانہ زرتعاون -/۷۰ روپے

بیرون پاکستان

بیرون پاکستان کے ڈاک خرچ میں یکلخت بے پناہ اضافے کے باعث آئندہ نرخنامہ یہ ہوگا :

☆ برائے سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر	۴۵ سعودی ریال یا
متحدہ عرب امارات اور بھارت	۱۲ امریکی ڈالر
☆ برائے یورپ' افریقہ' سکنڈے نیوین ممالک اور جاپان وغیرہ	۱۶ امریکی ڈالر
☆ شمالی وجنوبی امریکہ' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ	۲۰ امریکی ڈالر
☆ ایران' عراق' اومان' مسقط' ترکی' شام	
اردن' بنگلہ دیش' مصر	۹ امریکی ڈالر

مینیجر سرکولیشن' ماہنامہ میثاق' ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

(1148)

REG NO. L
VOL, 42 NO
DEC. 1993

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

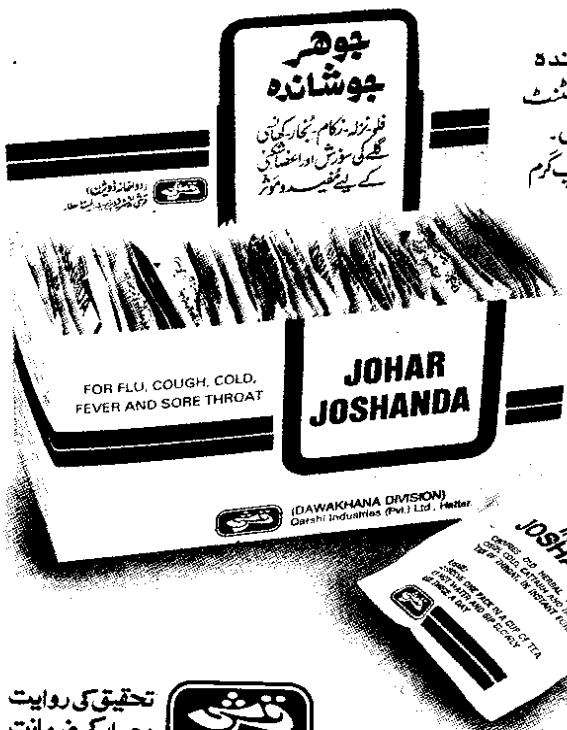

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھرجوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھرجوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھرجوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow